بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خصائلِ نبوی ﷺ

کا دِلآویز منظر

تالیف

مولانا عبد القیوم حقانی

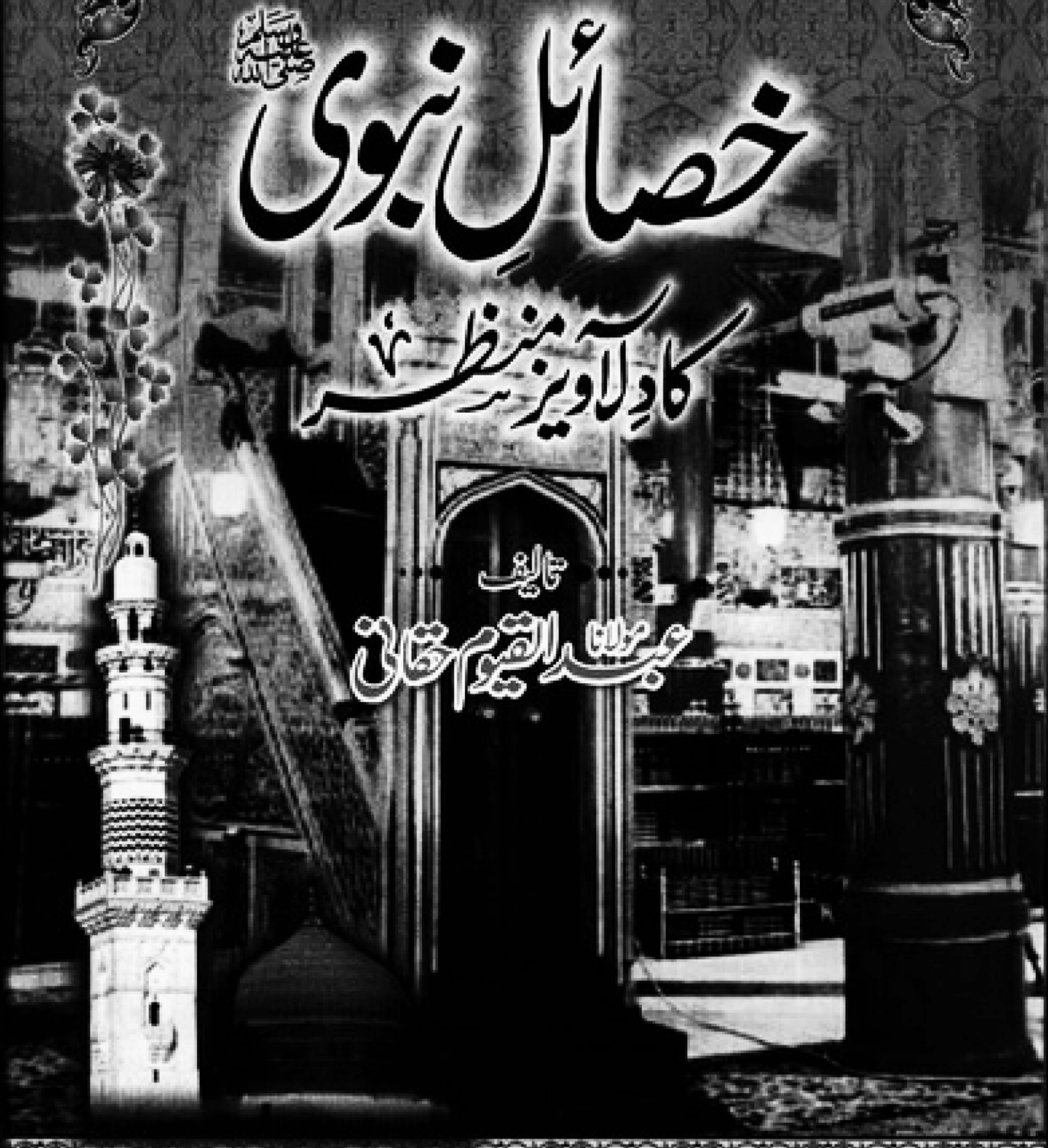

القاسم اکیڈمی • جامعہ ابوہریرہ

خالق آباد ○ ضلع نوشہرہ ○ سرحد پاکستان

جملہ حقوق بحق ''القاسم اکیڈمی'' محفوظ ہیں

نام : خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر

تصنیف : عبدالقیوم حقانی

ضخامت : 166 صفحات

پروف ریڈنگ : استاذ العلماء مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ

کمپوزنگ : مولوی گل رحمٰن رکن القاسم اکیڈمی

تاریخ اشاعت : رمضان ۱۴۲۶ھ/اکتوبر 2005ء

تعداد بار اول : 1100

قیمت :

ناشر : القاسم اکیڈمی جامعہ ابوھریرہ خالق آباد نوشہرہ

ملنے کے پتے

- صدیقی ٹرسٹ صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی ۷۴۸۰۰
- مولانا سید محمد حقانی مدرس جامعہ ابوھریرہ خالق آباد نوشہرہ
- کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
- زمزم پبلشرز نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی
- مولانا خلیل الرحمٰن راشدی، جامعہ ابوھریرہ چنوں موم سیالکوٹ
- مکتبہ سید احمد شہید ۱۰ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
- اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے

خصائل اور شمائل نبوی ﷺ

پر

مولانا عبدالقیوم حقانی

کی علمی اور عظیم تاریخی کاوشیں

	نام کتاب	صفحات
۱	شرح شمائل ترمذی (۳ جلد مکمل)	۱۲۰۸
۲	جمالِ محمد ﷺ کا دلربا منظر	۲۰۶
۳	روئے زیبا ﷺ کی تابانیاں	۱۵۶
۴	ماہتابِ نبوت ﷺ کی ضو افشانیاں	۲۱۰
۵	آفتابِ نبوت ﷺ کی ضیاء پاشیاں	۲۰۲
۶	محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا ادائیں	۱۹۷
۷	محبوبِ خدا ﷺ کی عبادت واعتدال	۱۸۷
۸	خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر	۱۷۶
۹	شمائل نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع	۱۵۳

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

فون فیکس ! (0923)630237---630094

ہر ذرہ تیرے کوچے کا آنکھوں سے لگا لوں
ممکن ہے کسی پر تیرا نقشِ کفِ پا ہو

مجھ کو کچھ ہوش نہیں ہے میری منزل ہے کہاں
قدمِ شوق مگر ہیں کہ اُٹھے جاتے ہیں

عارفیؔ اپنی ان آہوں کا اثر ہو کہ نہ ہو
اپنے کرنے کا ہے جو کام کیئے جاتے ہیں

فہرستِ مضامین

خصائلِ نبوی ﷺ کا دلآویز منظر

عنوان	صفحہ
مقدمہ ----------------	۱۱
باب ماجآء فی فراش رسول اللہ ﷺ	
باب! حضورِ اقدس ﷺ کے بستر کے بارے میں	۱۷
حضورؐ کا بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ	۱۸
کھردرے بستر کو ترجیح ---	۲۱
باب ماجآء تواضع رسول اللہ ﷺ	۲۳
باب! حضورِ اقدس ﷺ کی انکساری کے بارے میں	۲۳
تواضع کا معنی اور تشریح ------	۲۳
حضورؐ سب لوگوں سے زیادہ متواضع تھے	۲۴
حضورؐ نے لکڑیاں جمع کرنا اپنے ذمہ لیا	۲۴
چند متواضعانہ اعمال --------	۲۴
مدحِ رسولؐ میں حد سے تجاوز ممنوع ہے	۲۶
مقامِ عبدیت و رسالت ------	۲۷
ایک بے وقوف خاتون کی حاجت برآری	۲۹
کمالِ تواضع کی انتہاء -------	۲۹
ایک خاتون جس کیلئے آپؐ نے اپنی چادر بچھائی	۳۰
اخذِ مسائل ------------	۳۰

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
مریض کی عیادت	۳۱	کھڑے ہونے کی چار قسمیں	۴۵
ایک یہودی لڑکے کی عیادت اور دعوت اسلام	۳۲	تعظیماً کھڑے ہونے کی ممانعت کی وجہ	۴۶
عیادت کے اوقات کی تعیین نہیں	۳۳	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق	۴۶
جنازہ میں شرکت	۳۴	حدیثِ باب اور محدثین کا وتیرہ	۵۱
گدھے پر سوار ہونا	۳۴	تحصیل علم میں فضل وتفوق کی مساعی محمود ہیں	۵۲
دعوت قبول فرمانا	۳۵	ظاہری جمال کے ساتھ عظمت وجلال	۵۲
بنو قریظہ	۳۷	تقسیم اوقات کا اہتمام	۵۳
بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۳۸	اُمت کیلئے ایثارِ وقت کی ایک نادر مثال	۵۴
سادگی اور فروتنی کی انتہاء	۳۹	خاص وقت بھی خواص کیلئے وقف کیا تھا	۵۴
اخذِ مسائل	۴۰	نبوی تربیت کے اہداف	۵۵
بحالتِ قرض انتقال پر ایک شبہ اور جواب	۴۰	نصیحت وہدایت میں تفاوت	۵۵
بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۴۱	خواص کے خدام اور ہمراز کا مقام	۵۵
تواضع وعبدیت کا اظہار	۴۱	فرقِ مراتب	۵۶
ریا وشہرت سے حفاظت کی دُعا	۴۲	جماعتِ صحابہؓ کی تربیت کا خاص اہتمام	۵۷
صحابہ کرامؓ اور محبت رسول ﷺ	۴۳	مراتبِ استحقاق میں تفاوت	۵۷
حضورؐ اپنے لئے کھڑا ہونا پسند نہیں فرماتے تھے	۴۴	علمی بحث ومذاکرہ کی ترغیب	۵۸
تعظیماً کھڑا ہونا مستحب ہے	۴۴	غائبین کی فکر	۵۹
محققین کی رائے	۴۵	خدمتِ علم وخلق کا اجر وثواب	۶۰

عنوان	صفحہ
دربارِ نبوت علم وخدمت کا مرکز --	۶۰
اکرامِ ضیف کا اہتمام ------	۶۱
درسگاہِ نبویؐ کے فضلاء ------	۶۱
زبان مبارک کی حفاظت کا اہتمام -	۶۲
دعوتِ محبت وتالیفِ قلوب -----	۶۳
شرفاءِ قوم کا اکرام --------	۶۳
یحذر الناس کا معنی ------	۶۴
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہ	۶۴
طبعی رُجحان یکسوئی کا تھا ------	۶۵
لوگوں سے بے تکلفی میں حزم واحتیاط	۶۵
احباب کی خبر گیری کا اہتمام ----	۶۶
عام لوگوں کی خبر گیری ------	۶۶
اعتدال ومیانہ روی ------	۶۷
ہر چیز کے مقابلہ کیلئے پہلے سے تیاری کر لیتے تھے	۶۸
حق کی ادائیگی اور وصول کا معمول	۶۹
آپؐ کے خواص بہترین جماعت تھے	۶۹
اخذِ مسائل --------	۷۰
بارگاہِ نبوت میں فضل وتقدم جنہیں حاصل تھا	۷۰
بارگاہِ نبوت کے معظم ترین لوگ --	۷۰

عنوان	صفحہ
حضورؐ کی مجالس ذکر اللہ سے معمور ہوا کرتی تھی	۷۱
آدابِ مجلس --------	۷۲
تمام حاضرینِ مجلس حصہ وافر پاتے تھے	۷۳
حاضرینِ مجلس کا تأثر ------	۷۳
طویل کلام اور طویل نشست پر ناگواری ظاہر نہ فرماتے	۷۳
سائلین کے ضروریات کی تکمیل فرماتے	۷۴
وسعتِ اخلاق وسخاوت ------	۷۴
اُمت پر رحم وشفقت کی انتہاء ---	۷۴
آپ ﷺ کی مجالس کا ایک منظر -	۷۵
مجالس کی پاکیزگی --------	۷۶
صفاتِ صحابہ کرامؓ --------	۷۶
الکراع کا لغوی معنی ------	۷۷
تحفہ ودعوت کی قبولیت سنت ہے --	۷۷
حضورؐ اپنے صحابہؓ کی پیدل چل کر عیادت فرماتے	۷۸
بچوں سے محبت اور شفقت ----	۸۰
بعض الفاظ حدیث کی تشریح ----	۸۴
سید البشر ﷺ --------	۸۴
کمال عزت وتکریم ------	۸۵
علماء کی تحقیق --------	۸۵

عنوان	صفحہ
باب ماجآء فی خلق رسول اللہ ﷺ	۸۶
باب! حضور اقدس ﷺ کے اخلاق وعادات کے بیان میں	
لفظ خلق کی تشریح	۸۶
حسن اخلاق	۸۶
بیان شمائل کیلئے صحابہ کرامؓ کا سوال	۸۸
کاتبین وحی	۸۹
صحابہ کرامؓ کی دلداری وخاطرداری	۸۹
آخری جملہ کا مفہوم	۹۰
کریمانہ اخلاق کی انتہاء	۹۲
عمرو بن العاصؓ کے سوال کا حقیقت پر مبنی جواب	۹۲
عمرو بن العاصؓ کی اپنے سوال پر ندامت	۹۳
حضرت انسؓ خدمتِ نبوی میں	۹۴
ناگوار امور پر اُف تک نہ کہا	۹۵
مولانا عبدالحق "اتباع سنت کا کامل نمونہ"	۹۵
ابونعیم کی روایت	۹۶
رضا بالقضاء	۹۶
سیرت وسوانح کا عظیم باب	۹۸
حضرت انسؓ کی عظمت ومقام	۹۸
اخلاق حمیدہ	۹۹
مبارک ہاتھوں کی ملائمت	۹۹
حدیث مسلسل بالمصافحہ	۱۰۰
وجود مسعود کی مبارک خوشبو	۱۰۱
ترک مواجہت بھی مصلحت تھی	۱۰۵
فاحشاً ومتفحشاً کی تشریح	۱۰۶
ملا علی قاری کا ارشاد	۱۰۶
شور وشغب سے مکمل اجتناب	۱۰۷
برائی کے بدلے برائی نہ کرتے	۱۰۷
عفو ودرگذر	۱۰۸
بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۱۱۳
اپنی ذات کیلئے انتقام نہ لیتے	۱۱۳
اسہل الامرین کو اختیار کرتا	۱۱۴
"رجل" کون تھا	۱۱۵

عنوان	صفحہ
دفع مضرت کیلئے برائی بیان کرنا غیبت نہیں ہے	۱۱۶
مدارات اور مداہنت کا فرق ----	۱۱۸
اُصولِ جرح وتعدیل --------	۱۱۸
جمالِ محمدؐ کا حسین منظر -------	۱۲۱
دو عبارتوں کا فرق ---------	۱۲۵
کمالِ سخاوت کی دلیل -------	۱۳۱
سوال وجواب ---------	۱۳۲
مراتب جود وسخا ----------	۱۳۳
ماہِ مبارک میں سخاوت -------	۱۳۳
حضرت جبرائیل کے ساتھ قرآن کا دور	۱۳۵
بے انتہاء سخاوت ---------	۱۳۶
صحبتِ صالحین ---------	۱۳۶
اخذِ مسائل ---------	۱۳۷
ذخیرہ اندوزی سے احتراز -----	۱۳۸
ایک شبہ اور اس کا جواب ------	۱۳۸
قرض دلوا کر سائل کی حاجت پوری کردیتے	۱۴۱
جود وسخا کے واقعات ----	۱۴۲
حضرت عمرؓ کی رائے پر ناگواری ---	۱۴۳
ایک انصاری کی رائے کو پسند فرمایا ۔	۱۴۴
اخذ واستنباط -----------	۱۴۵
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح ----	۱۴۶
ہدیہ لینا اور بہترین بدلہ دینا ---	۱۴۷
تنبیہ ---------------	۱۴۷
باب ماجآء فی حیاء رسول اللہ ﷺ	۱۴۸
باب! حضورِ اقدس ﷺ کی حیاء کے بیان میں	
حیاء کی فضیلت واہمیت ------	۱۴۸
حیاء کے اقسام ---------	۱۴۹
حضورِ اقدس ﷺ کا مقامِ حیاء --	۱۵۰
شیخ عبدالرؤفؒ کا ارشاد ------	۱۵۱
جب حضورؐ کو کوئی بات ناگوار ہوتی ۔	۱۵۲
حیاءِ کامل کا اکمل نمونہ -----	۱۵۳

عنوان	صفحہ
باب ماجآء فی حجامة رسول الله ﷺ	۱۵۴
باب! حضور اقدسؐ کے پچھنے (سنگھیاں) لگوانے کے بیان میں	
الحجامة (پچھنے لگوانا) --------	۱۵۴
معالجہ توکل کے منافی نہیں ----	۱۵۴
توکل کی حقیقت ----------	۱۵۵
حضور ﷺ کے حجام ابوطیبہ کا تذکرہ	۱۵۶
منشأ سوال -----------	۱۵۷
طبعی کراہت سے حرمت لازم نہیں آتی	۱۵۷
حجام کو اُجرت دینا مباح ہے ----	۱۵۷
غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک ---	۱۵۸
پچھنے لگوانا گرم علاقوں کے ساتھ خاص ہے	۱۵۸
اخذِ مسائل -----------	۱۵۹
پچھنے لگوانے میں حضرت علیؓ کی تصدیق	۱۶۰
پچھنوں پر اُجرت کی روایات میں تطبیق	۱۶۰
پچھنے کہاں لگواتے تھے -----	۱۶۲
پچھنے لگوانے کے خاص ایام ----	۱۶۳
خلاصۂ بحث -----------	۱۶۴
پچھنے لگوانے میں جغرافیائی اثرات -	۱۶۵

==================

مُقَدِّمَة

الحمد لحضرة الجلالة والصلوة والسلام علی خاتم الرسالة

''چمنستان دہر میں بار ہا روح پرور بہاریں آ چکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس شان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں، لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیرِ کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کئے۔ سیارگانِ فلک اسی دن کے انتظار میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا وقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، مہ وخورشید کی فروغ انگیزیاں، ابروباد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاسِ پاک، توحید ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازئ موسیٰؑ، اسی لئے تھی کہ یہ متاع ہائے گراں بہا تاجدار عرب وعجم ﷺ کے دربار گہربار میں کام آئیں گی۔

''آج کی صبح وہ صبحِ جہاں نواز، وہ ساعتِ ہمایوں، وہ دورِ فرخ فال ہے کہ آج توحید کا غلغلہ بلند ہوا، بتکدوں میں خاک اڑنے لگی، نفرت وکدورت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑنے لگے، محبت اور اخوت کے پھول مہک اٹھے، چمنستانِ سعادت میں بہار آ گئی، شبستانِ حیات جگمگا اٹھی، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا، ابراہیمؑ کی دعا قبول ہوئی، نطقِ عیسیٰؑ کی تبشیر وجود میں آئی، کبھی نہ غروب ہونے والا آفتاب افق سے نکلا، جمعیتِ خاطر اور اطمینانِ قلب کے لئے ٹھوس عقیدے اور جامع نظامِ دستور کی کمی پوری ہوگئی۔

--------------- O ---------------

اوپر کے یہ الفاظ برصغیر پاک وہند کے نامور انشاء پرداز اور ممتاز سیرت نگار مولانا شبلی نعمانی" کے ہیں۔شبلیؒ نے بلاشبہ اپنا سارا سرمایۂ ادب وانشاء لاکر بارگاہِ نبوت میں ڈھیر کردیا ہے، ہر لفظ کوثر و تسنیم سے دھلا ہوا اور ہر حرف محبت کی ٹکسال میں ڈھلا ہوا ہے۔ مرحوم نے اپنے گلشنِ عشق کے عقیدت کی خوشبو میں رچے ہوئے سارے پھول اس جہاں بہار کے حضور نذر کردیے ہیں اور اپنے میکدۂ دل کے محبت سے لبالب بھرے ہوئے جام اس رونق بزم کے نام پر لنڈھا دیے ہیں۔شبلیؒ نے عمر بھر میں جو علم کے موتی چنے، ادب کے نگینے جمع کیے اور نظم ونثر کے جواہر پارے اکٹھے کیے۔ان سب کو طشتِ دل میں سجایا اور جا کر سرورِ کائناتؐ کی جناب میں الٹا دیا، کہ یہی ان کے مراقبہ ومشاہدہ کی کل متاع تھی جو انہوں نے ٹھکانے لگادی۔

ایک شبلی" پر کیا موقوف اس بارگاہ عرش پایگاہ میں غزالی" اپنی تلقین، رازی" اپنا پیچ وتاب، فارابی" اپنی حیرت، بوعلی سیناؒ اپنی حکمت، رومی" اپنا سوز وساز اور قدسیؒ اپنا انداز نثار کر بیٹھے، آج جمشید وفریدوں ہوتے تو اپنا جام جہاں نما بلاتکلف سفال مدینہ پر قربان کردیتے اور دارا وسکندر اپنے تاج سر اور تختِ سکندری پر مدینے کی چاکری کو ترجیح دیتے۔ تاجدار" الفقر فخری " کی سرکار میں جنیدؒ وبایزیدؒ بھی اونچی سانس نہ لے سکے۔وہ بارگاہ عالم پناہ جہاں طائر سدرہ نشیں مرغ سلیمان عرب بن کر مژدۂ بلقیس شفاعت لائے۔اس ذات کی محفل قدس کا کیا کہنا جس کا دودِ چراغ ہمیشہ غازۂ روئے قمر ٹھہرا، اس چمنستانِ حسن کی کیا بات ہے جس کا ہر گل وریحان لوٹ خزاں سے پاک رہا، اس دریائے رحمت کا کیا بیان کہ کوثر وتسنیم جس کی دو بوندیں قرار پائیں اور اس چشمہ بقاء کی حدِ کمال کہاں کہ جس کے تلوؤں کا دھوون آبِ حیات بن گیا۔ سچی بات یہ ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا مضمون نگار خواہ سو رنگ سے مضمون باندھے اور ہر رنگ میں سو ڈھنگ اپنائے پھر بھی وہ یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ ع تو کائناتِ حسن ہے یا حسن کائنات

جناب رسالت مآب ﷺ نے جس ٹھوس عقیدے اور جامع نظام کی بنیاد رکھی وہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین اور ہمہ گیر انقلاب ہے، اگرچہ یک رخے انقلاب کئی آئے اور

اپنی پوری مدت پوری کر کے چلتے بنے۔ بہت کم ایسا ہوگا بلکہ معلوم تاریخ میں قطعاً ایسا نہیں ہوا کہ تیس برس کے قلیل عرصے میں دس بیس افراد نہیں پوری سوسائٹی اپنے مزاج اور کردار میں ایسی تبدیلی پیدا کر لیتی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر کی دنیا ایک نئے انسان سے متعارف ہوتی ہے اس انقلاب سے پہلے عرب کا بدو راہزن تھا اب راہبر کے منصب پر فائز ہو گیا۔ اس سے پہلے وہ قتل و غارت کا خوگر تھا۔ اب وہ عفو و رحمت کا پیمبر بن گیا، اس سے پہلے وہ خود پرست تھا اب وہ خدا پرست بن گیا، اس سے پہلے وہ جاہلیت کا پیکر تھا اب وہ معرفت کے درس دینے لگا، اس سے پہلے وہ نسب اور خاندان کا اسیر تھا اب وہ بین الاقوامیت کا سفیر نظر آتا ہے۔ اور اس سے پہلے وہ آتش بجاں تھا اب وہ گل بداماں دکھائی دیتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ اتنے عظیم الشان انقلاب کے پیچھے کوئی فوج اور سپاہ نظر نہیں آتی فقط اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی نگاہ کارفرما رہی۔

---------------- 0 ----------------

انقلابِ فرانس کو دنیا میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے آج کی سائنسی ترقی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انقلابِ فرانس کا فیض ہے، روشن خیالی کا چشمہ انقلابِ فرانس سے پھوٹا، مگر اس دورِ انقلاب میں مارٹن لوتھر کے ساتھیوں پر کیا بیتی؟ اس پر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں۔ عیسائیت کے تقدس اور تحفظ کے نام پر پورا یورپ ''پھانسی گھر'' بن گیا، گیلو اور برونو کی داستانیں آج بھی یورپ میں زبان زدِ عام ہیں۔

روس کا بالشویکی انقلاب بھی بلاشبہ بہت بڑا واقعہ ہے مگر وہاں کے کسانوں اور مزدوروں نے اس کی کیا قیمت چکائی؟ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، ایک لاکھ چھیانوے ہزار مزدور اور آٹھ لاکھ نوے ہزار کسان اس انقلاب کے تنور کا ایندھن بنے، اور سٹالن نے اپنے دورِ حکومت میں تیس ہزار سرکاری ملازمین مروائے اور سائبیریا کے یخ بستہ جہنم کے چرچے شکستِ روس تک عام رہے کچھ پردے اب اٹھ رہے ہیں اور معلوم ہو رہا ہے کہ اس انقلاب نے گندم کے ایک ایک دانے کے عوض ایک ایک انسانی جان کی قیمت وصول کی ہے اور تن ڈھانپنے کے بدلے میں لباسِ عصمت تار تار کیا ہے، جرمن قوم آج بھی نسلی تفاخر

کے نشے میں دھت ہے، اسی نسلی گھمنڈ نے ہٹلر کو جرمنوں کی آنکھ کا تارا بنایا، اور اس نے عظمتِ رفتہ کی بحالی کا نعرہ لگایا اور یہی نعرہ جنگِ عظیم دوم کا پہلا شعلہ بنا اور یہ شعلہ آگ کا وہ الاؤ ثابت ہوا جس میں ستر لاکھ انسان جل کر کوئلہ ہو گئے اور اتنی ہی تعداد زخم چاٹنے والوں اور معذوروں کی سامنے آئی۔ ہٹلر کی آپ بیتی میں "کیمف" یعنی میری جدوجہد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے لئے ۱۲۵، ہر صفحے کے لئے ۴۷۰۰ اور ہر باب کے لئے بارہ لاکھ جانیں ضائع ہوئیں، اور اس سب کا حاصل؟ خودکشی، رسوائی اور پسپائی۔ چین کا کمیونسٹ انقلاب بھی بہت بڑا انقلاب ہے مگر لانگ مارچ سے لے کر تیان من سکوائر تک پھیلے ہوئے لاشوں کے ڈھیر اس انقلاب کی "افادیت" کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

---------------- 0 ----------------

ان سب کے مقابلے میں ایک انقلابِ محمدی ہے جو اپنے جلو میں بشریت کا لہو نہیں انسانیت کی آبرو لے کر آیا، اس کے برپا ہونے سے موت کا اندھیرا نہیں چھایا بلکہ زندگی کا سویرا طلوع ہوا۔ اس نے کشتوں کے پشتے نہیں لگائے بلکہ حسن ومحبت کے بوٹے اگائے، وہ کسی جنگِ عظیم کا پیش خیمہ نہیں بنا بلکہ کاروانِ امن کا ہراول دستہ ثابت ہوا، یہ قافلۂ انقلاب دار ارقم سے نکل کر فتح مکہ پر اپنا سفر مکمل کرتا ہے مگر اس عرصے میں اتنا خون بھی نہیں بہا جتنا کہ روزانہ کسی بڑے ہسپتال میں صحت پانے کی غرض سے آپریشن کے دوران بہہ جاتا ہے

اس انقلاب کی ایک اور خوبی بھی ہے کہ وہ حالات بظاہر انقلاب کے لئے سازگار اور اس کے متقاضی نہیں تھے، یوں لگ رہا تھا کہ چار ہزار سال سے تعمیر کیا گیا تہذیب کا وہ قصرِ مشید دھڑام سے گرنے والا ہے اور انسانی سوسائٹی اس میں دب کر آنے والی کئی صدیوں تک چیختی کراہتی رہے گی۔ اس دور میں جزیرۃ العرب اعتقادی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور تہذیبی اعتبار سے ناقابل رشک کیفیت سے گذر رہا تھا، عرب اعتقادی طور پر بالکل نچلی سطح پر پہنچ چکے تھے اس سے آگے شرفِ انسانی کی توہین کی کوئی منزل نہیں تھی، ملائکہ پرستی، جنات پرستی، بت پرستی، ستارہ پرستی نجانے کتنی "پرستیاں" انہیں جونک کی طرح چمٹی ہوئی تھیں ہر قبیلے کا الگ بت اور ہر ایک کا جداگانہ طرزِ پرستش۔ عرب بلاشبہ شجیع تھے مگر

شجاعت پر سنگدلی کا گمان گزرتا تھا، عرب قادر الکلام تھے مگر زیادہ تر ہجویہ اشعار میں اپنا زور صرف کرتے تھے، وہ جفاکش تھے مگر ساتھ ساتھ برادر کش بھی، وہ مہمان نواز تھے مگر ان کا دستر خوان زیادہ تر چوری اور راہزنی کے اسباب سے سجا ہوتا تھا، ان کی سیاست میں انفرادیت کا رجحان تھا، کوئی مرکزی نظم نہ تھا کوئی باقاعدہ نظامِ عدل وانصاف بھی نہ تھا، سارا معاشرہ قبائلی فضا میں سانس لے رہا تھا، جس کے نتیجے میں ایک طرح کی طوائف الملوکی تھی۔ اعتقادی پستی کے اس ماحول میں حضور ﷺ نے عقیدۂ توحید پر مبنی انقلابی نظام قائم کر کے وحدتِ انسانی کا سنگِ بنیاد نصب فرما دیا۔ انفرادیت پسندی اور خود پسندی کی اس فضا میں اجتماعی نظم اور خدا پرستی کا نمونہ پیش کیا حتیٰ کہ مذہبی آداب وشعائر تک میں اجتماعیت کا رنگ غالب کر دیا اور یوں آنے والے وقتوں میں بین الاقوامی اداروں کی تشکیل کی راہ ہموار کر دی، گلے سڑے معاشرے میں حیات افروز رجحانات کو فروغ دے کر سوسائٹی میں امن، اخوت، ایثار، عدل، اطاعت اور روحانیت کی لہر دوڑا دی۔

--------------- o ---------------

قبائلی عصبیت کا رخ موڑ کر اسے اسلامی عصبیت میں بدل دیا اور یوں ذاتی اغراض کی جنگ کو ختم کر کے کفر، باطل، ظلم، فساد اور طغیان کے خلاف لوگوں کو مورچہ بند کر دیا اس طرح نفرت کا ہدف انسان کے بجائے اس میں پائی جانے والی برائی کو بنا دیا، تاکہ اس برائی کے خلاف جہاد کر کے انسان کو اس کے مقام انسانیت سے آگاہ کیا جا سکے، آج دنیا یو این او کے چارٹر سے آگاہ ہے جنیوا کنونشن بھی موجود ہے، فنڈامنٹل رائٹس کے کمیشن بھی دنیا بھر میں کام کر رہے ہیں نت نئے ورلڈ آرڈر بھی متعارف ہو رہے ہیں، نیو سوشل کنٹریکٹ کی باتیں بھی ہوتی ہیں اور لوگ نیشنلزم سے انٹر نیشنلزم کی طرف بڑھ رہے ہیں لیکن یہ سب کچھ خواب وخیال ہوتا اور وہم وگمان ہوتا اگر قدیم وجدید کے سنگھم پر وہ ذاتِ ستودہ صفات تشریف فرما نہ ہوتی جس نے عہد قدیم کو پاش پاش ہونے سے بچا لیا اور عصر جدید کو نئے خطوط فراہم کر کے آگے بڑھنے کے قابل بنا دیا۔ آیۂ کائنات کو جس طرح ہزاروں برس پہلے مرحلہ انتظار سے گزرنا پڑا، تب جا کر معنئ دیریاب نصیب ہوا، اسی طرح آج بھی قافلہ ہائے رنگ وبو کو اپنی تلاش کا سفر

جاری رکھنا پڑے گا، حرف ولفظ کے اسیر جلوتیان مدرسہ اور تہی سبو خلوتیان میکدہ کو اتنی جلد فیضانِ انقلاب محمدیؐ کے تمام پہلوؤں کا ادراک حاصل نہیں ہوسکے گا۔ زمانہ ابھی کئی کروٹیں لے گا ،صدیوں کا سفر ابھی باقی ہے، غنچے سے کلی اور کلی سے پھول بننے میں ابھی کئی مراحل پڑے ہیں اور شعور انسانی کو مزید مصفٰی اور مجلیٰ ہونا ہوگا، تب اس کی سمجھ میں آئے گا کہ :

لوح بھی تو ، قلم بھی تو ، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب
عالم آب وخاک میں ، تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا ، تو نے طلوع آفتاب

________________ 0 ________________

اس عظیم پیغمبرِ انقلاب کے خصائل اور اخلاق کیا تھے؟ شرح شمائل ترمذی اس کا علمی وتحقیقی جواب ہے جس کے چھوٹے اجزاء میں سلسلۂ طباعت کی ساتویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کے اخلاق وعادات، عفوودرگذر، رضا بالقضاء، خدام کی دلداری وخاطر داری، اکرام ضیف، وسعتِ اخلاق وسخاوت، بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ، کھردرے بستر کو ترجیح ، تواضع وعبدیت ، لکڑیاں جمع کرنا، سادگی وفروتنی، ظاہری جمال کے ساتھ عظمت وجلال، تعلیم وتربیت کے اہداف، دربار نبوت علم وخدمت کا مرکز ، درسگاہ نبوی کے فضلاء ،مجالسِ نبوت کے مختلف مناظر، ہاتھوں کی ملائمت ، جودوعطا کے مراتب، حیاء کی فضیلت واہمیت اور آپؐ کا مقام حیاء، حیاء کا اکمل نمونہ، معالجہ اور پچھنے لگوانا، ہدیہ لینا اور بہترین بدل دینا، الغرض شمائل ترمذی کے سینتیس (۳۷) احادیث کی عالمانہ، محققانہ، سلیس اور عام فہم تشریح وتوضیح کا حسین مرقع ہے۔ محبان رسول ﷺ کے لئے تحفۂ عشق ومحبت۔

چھین لے مجھ سے نظر آئے جلوۂ خوش روئے دوست
میں کوئی محفل نہ دیکھوں اب تیری محفل کے بعد

عبدالقیوم حقانی

۱۷ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ فِرَاشِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! ان روایات کا ذکر جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

فراش بمعنیٰ مفروش کے ہے جیسے کتاب بمعنیٰ مکتوب کے ہیں' اس کی جمع فُرش آتی ہے، جیسے کتاب کی جمع کتب آتی ہے۔ ویقال له ایضاً فرش من باب التسمية بالمصدر' وقد ورد فی صحیح مسلم فراش للرجل و فراش لزوجته و فراش للضيف و فراش للشيطان و انما اضافه للشيطان لانه زائد علي الحاجة مذموم و قيل لانه اذا لم يحتج إليه كان مبيته و مقيله (مواہب ص۲۳۶) (صحیح مسلم میں وارد ہوا ہے کہ ایک بستر مرد کے لئے اور ایک بستر اس کی بیوی کے لئے اور ایک بستر مہمان کے لئے اور ایک بستر شیطان کا ہے اور بے شک اس بستر کی شیطان کو اس لئے نسبت کی کہ وہ ضرورت اصلیہ زائد ہے اور مذموم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اس بستر کی ضرورت نہیں اور وہ فالتو ہے تو وہ گویا شیطان کا مبیت (بیوتة کی جگہ) اور مقیل (قیلولہ) کی جگہ ہے) حضور اقدس ﷺ کا بستر مبارک چمڑے ٹاٹ اور بوریا کا ہوا کرتے تھے، نرم اور گداز بستر پسند نہیں فرماتے تھے۔ الشیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی فرماتے ہیں "حضور نبی کریم ﷺ

کا بستر مبارک چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اس کی لمبائی کم وبیش دو گز تھی اور چوڑائی ایک گز اور ایک ہاتھ تقریباً' آپ دنیاوی ساز وسامان سے بالکل الگ رہے، باوجودیکہ خدا نے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو عنایت فرمائی تھیں، مگر آپ ﷺ نے کبھی دنیاوی خواہش نہیں کی' ہمیشہ آخرت پر اور اس کی نعمت پر نظر رکھی اور آخرت کو اختیار فرمایا"۔ (وسائل الوصول)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کے لئے بستر بچھا دیا، تو اس پر لیٹ گئے، اگر نہ بچھایا' تو زمین پر ہی لیٹ جاتے تھے۔ آپ کا تکیہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری پڑی رہتی تھی۔ (وسائل الوصول)

(۳۱۴/۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ يَنَامُ عَلَيْهِ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهُ لِيْفٌ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر علی بن مسہر نے دی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے ان کے باپ کے واسطہ سے نقل کی' اور انہوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔

راوی حدیث (۵۹۶) علی بن مسہر" کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضورِ اقدس ﷺ کا بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ :

حضور سیدِ دوعالم ﷺ نرم بستر کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ چونکہ آنجناب ﷺ کے پیشِ نظر اپنی اُمت کو عبادت' زہد' ریاضت' محنت' مسلسل تبلیغ اسلام کی راہ میں مشقت اٹھانے اور ہر وقت خدمتِ خلق کرنے کی زندگی اور تعلیم دینی مقصود تھی۔ اس لئے خود بھی

عیش وآرام اور تنعم کی زندگی ترک فرما دی تھی۔ یہاں تک کہ نیند بھی سخت بستر پر فرماتے اور آرام دہ گدے یا توشک پر سونا پسند نہ فرماتے۔ بیہقی نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ سے روایت کی ہے کہ میرے پاس انصار کی ایک عورت آئی، اس نے رسول مقبول ﷺ کا بستر دیکھا جو چمڑا کو دہرا کر کے بچھا رکھا تھا **فبعث الیّ بفراش حشوہ صوف** وہ عورت گئی اور اس نے روئی سے بھری ہوئی توشک (لحاف) آنحضور ﷺ کے لئے میرے پاس بھیج دی۔

حضور ﷺ تشریف لائے اور اس کو دیکھا، فرمایا اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ انصار کی فلاں عورت نے آپ کا بستر ہ دیکھا، تو پھر جا کر آپ کے لئے روئی سے بھرا ہوا گدا بھیج دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! یہ اسے واپس کر دے۔ **واللہ لو شئت اجری اللہ معی جبال الذھب والفضۃ**

''اور فرمایا قسم ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی، اگر میں چاہوں تو اللہ جل جلالہٗ سونے اور چاندی کے پہاڑ عطا کر دے'' یعنی خوب آرام' عیش اور تنعم کی زندگی بسر کروں، مگر میں تو راحت وآسائش کے ہر قسم کے سامان کو ہیچ سمجھتا ہوں اور درحقیقت راحت وآرام تو وہ ہے جو آخرت میں نصیب ہو۔ امام احمدؒ اور ابوداؤد والطیالسیؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے **فاثر فی جنبہ** آپ ﷺ کے جسمِ اطہر واقدس پر اس بوریے کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ عرض کیا گیا کہ کیا آپؐ کے لئے کوئی نرم بستر نہ لائیں تو ارشاد فرمایا:

"مالی وللدنیا انما انا والدنیا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح و ترکھا"

''مجھے دنیاوی آرام سے کیا کام' میری مثال تو اس مسافر کی ہے جو راستے میں کسی درخت کے نیچے ذرا آرام کرلے اور پھر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جائے''۔

وسائل الوصول میں علامہ یوسف النبہانی امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ میں جناب نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جسمِ مبارک پر بوریے کے نشان نظر آرہے تھے۔ حجرہ کی یہ

حالت تھی کہ ایک طرف تھوڑے سے جَو پڑے ہوئے تھے۔ دیوار پر کھال لٹکی ہوئی تھی (نماز پڑھنے کے لئے) میں نے یہ حال دیکھا تو میرے آنسو نکل آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابن خطاب کیوں روتا ہے، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی! میں اب بھی نہ روؤں۔ اس چٹائی نے آپ کے جسم پر نشان ڈال دیئے ہیں۔ مفتوحہ علاقوں سے جو روپیہ آرہا ہے کیا اس میں آپ کا کوئی حصہ نہیں۔ دوسری طرف یہ قیصر و کسریٰ ہیں، جو دنیا کی بے اندازہ نعمتوں میں کھیل رہے ہیں اور آپ اللہ کے نبی اور محبوب ہیں، پھر بھی اس تنگدستی پر گذر بسر ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ' اے ابن خطاب ! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ آخرت کی ابدی نعمتیں ہمارے لئے ہوں اور دنیا کی چند روزہ آسائشیں انہیں دے دی جائیں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں، جنہیں یہی کچھ آسائشیں دے کر بہلا دیا گیا ہے، جن کی مدت بہت مختصر ہے اور ہم وہ لوگ ہیں جو آخرت میں ایسی نعمتوں سے نوازے جائیں گے' جو کبھی ختم نہ ہوں گی"۔ شرح سنہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ یرکب الحمار العری و یجیب دعوۃ المملوک و ینام علی الارض و یجلس علی الارض و یاکل علی الارض "برہنہ گدھے پر سواری فرماتے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے، زمین پر سوتے، زمین پر بیٹھتے اور زمین پر کھانا کھاتے" (شرح خوشیہ ۲۲۱ تا ۲۲۳)

الادم ' ادیم کی جمع ہے وھو الجلد المبوغ 'او الاحمر 'او مطلق الجلد ولعل الخشونۃ کانت تساعدہ علی قلۃ النوم ' لأن الفراش الوثیر یساعد علی کثرۃ النوم و ھذا دلیل الزھادۃ الحقیقیۃ فان قدرتہ او سع من ذلک بکثیر (اتحافات ص ۳۵۲) (ادیم کا معنیٰ رنگا ہوا چمڑا یا سرخ چمڑا اور یا پھر مطلق چمڑا اور شاید کہ اس کا کھردرا پن وسختی نیند کی قلت میں معاون و مددگار ثابت ہوتی تھی اس لئے کہ نرم وملائم بستر تو نیند کی کثرت میں زیادہ موافق ومعاون ہوتا ہے اور یہی چیز دراصل دنیا سے بے رغبتی اور روگردانی کی دلیل ہے ورنہ آپ ﷺ کی طاقت وقدرت میں اس سے زیادہ قیمتی وملائم کی بھی وسعت ہو سکتی تھی)۔

(۳۱۵/۲) حَدَّثَنَا اَبُوْ الْخَطَّابِ زِیَادُ بْنُ یَحْیَى الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَیْمُوْنٍ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ سُئِلَتْ عَآئِشَۃُ مَا کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِکِ قَالَتْ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُہٗ لِیْفٌ وَ سُئِلَتْ حَفْصَۃُ مَا کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِکِ قَالَتْ مِسْحًا نَثْنِیْہِ ثِنْیَتَیْنِ فَیَنَامُ عَلَیْہِ فَلَمَّا کَانَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ قُلْتُ لَوْ ثَنَیْتَہٗ اَرْبَعَ ثِنْیَاتٍ لَکَانَ اَوْطَأَ لَہٗ فَثَنَیْنَاہُ لَہٗ بِاَرْبَعِ ثِنْیَاتٍ فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ مَا فَرَشْتُمُوْنِیَ اللَّیْلَۃَ قَالَتْ قُلْنَا ھُوَ فِرَاشُکَ اِلَّا اَنَّا ثَنَیْنَاہُ بِاَرْبَعِ ثِنْیَاتٍ قُلْنَا ھُوَ اَوْطَأُ لَکَ قَالَ رُدُّوْہُ لِحَالَتِہِ الْاُوْلٰى فَاِنَّہٗ مَنَعَتْنِیْ وَطَاءَتُہٗ صَلَاتِیَ اللَّیْلَۃَ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں ہمیں ابوالخطاب زیاد بن یحییٰ بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبداللہ بن میمون نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جعفر بن محمد نے اپنے باپ کے واسطے سے خبر دی۔ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے یہاں حضور ﷺ کا بستر ہ کیسا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ چمڑہ کا تھا، جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بستر ہ کیسا تھا، انہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا، جس کو دوہرا کر کے ہم حضور ﷺ کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا جائے تو زیادہ نرم ہو جائے گا۔ میں نے ایسے ہی بچھا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے صبح کو دریافت فرمایا کہ میرے نیچے رات کو کیا چیز بچھائی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ وہی روزمرّہ کا بستر ہ تھا، رات کو اسے چوہرا کر دیا تھا کہ زیادہ نرم ہو جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پہلے ہی حال پر رہنے دو، اس کی نرمی رات کو مجھے تہجد سے مانع ہوئی

کھردرے بستر کو ترجیح :

المسح بکسر المیم ٹاٹ کو کہتے ہیں، جو اون سے بنا ہوتا تھا، یہ معمولی سا فراش ہے، جو بغیر بچھانے کے اور کسی بھی کام کا نہ تھا، گویا ایک معمولی سا کمبل و ھو کساء خشن من صوف ۔ (اتحافات ص ۳۵۴)

مضمونِ حدیث تو ترجمۃ الباب میں واضح کر دیا ہے : حضور سیدِ دو عالم ﷺ نے اپنی اُمت کو عملی طور پر سمجھایا کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ یہ تمہارے نرم نرم بستر ے، یہ آرام و آسائش، یہ تنعم دنیوی تمہیں یادِ الٰہی 'نماز اور تہجد سے بے پرواغافل نہ کر دیں۔ صرف اس لئے ذرا سا نرم بستر ہ استعمال کرنا نہیں پسند فرمایا کہ نمازِ تہجد کہیں نہ پڑھی جا سکے۔ آج ہمیں سرورِ انبیاء' شفیقِ اُمت' پیغمبر اسلام ﷺ کی اِس سنتِ مبارکہ کو زندہ کرنا چاہیے۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے دیکھا اور آپ بوریے پر نماز پڑھتے تھے اور اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ دباغت کی ہوئی کھال ہو اور آپ اس پر نماز ادا فرمائیں۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ومن هنا نستفيد كيف أن لين الفراش كاد يمنع رسول الله صلى الله عليه و سلم من التهجد و اذا كان الرسول و هو الذى تنام عينه ولاينام قلبهُ يخشى الفراش الوثير فكيف بنا نحن ؟ إن الكثير من المسلمين يفرح إذا استغرق في النوم من أول الليل الى اخره والأكثر من الكثير يحزن اذا لم يكن عنده الفراش الوثير إننا نتفنن اليوم في السرر والستائر و النمارق 'ناسين البساطة الحلوة ' والسنن الكريمة ۔(اتحافات ص۳۵۵) (اور ان احادیث سے ہمیں معلوم ہوا کہ بستر کی نرمی اور ملائمت میں آپ ؐ کے لئے بھی تہجد سے مانع بن جانے کا امکان تھا۔ اور جب کہ نبی کریمؐ کی ذاتِ اقدس کو (جس کی صرف آنکھیں تو سو جاتیں لیکن دل بیدار ہوتا) بھی نرم وملائم بستر کا سببِ غفلت بننے سے خوف لاحق تھا تو پھر ہماری حالت ان کے استعمال کرنے سے کیا ہو گی۔ حالانکہ صورتِ حال یہ ہے کہ بہت سے مسلمان تو شروع رات سے آخرِ رات تک گہری نیند میں مستغرق ہونے سے خوش ہوتے ہیں اور بہت سے دیگر لوگ نرم وملائم اور آسائش و آرام کے بستر نہ ہونے سے پریشان و غمگین رہتے ہیں ادھر آج کے ماحول میں تو ہم لوگ تخت، پلنگ، صوفہ سیٹ گاؤ تکیے، پردے، غالیچے اور قالینوں کے استعمال میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن سادہ بچھونے (کمبل، دری، ٹاٹ، فرش زمین) وغیرہ کی میٹھی زندگی اور حضور ﷺ کی پیاری سنتوں کو بھلانے والے ہیں)۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ تَوَاضُعِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انکساری کے بارے میں

تواضع کا معنی اور تشریح :

تواضع کا معنی تذلل، عاجزی، فروتنی، انکساری اور خشوع ہے۔ و عند الصوفية تذلل القلوب لعلام الغيوب بالتسليم لمجاری احکام الحق (جمع ج ۲ ص ۱۶۱) (اور صوفیاء کرامؒ کے نزدیک اپنے دلوں کو علام الغیوب ذات کے لئے عاجز منکسر کر کے احکام حق کو ماننے اور تسلیم کرنے کے لئے آمادہ کرنا)

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں: و عرفا : خروج الانسان عن مقتضى جاهه ، و تنزله عن مرتبة أمثاله و عند المحققين : التواضع هو : أن لا يرى العبد لنفسه مزية و يرى الحالة التى هو فيها اعظم مِن أن يستحقها و سئل أبو يزيد : متى يكون العبد متواضعا ؟ فقال : إذا لم ير العبد لنفسه مقالا و لاحالا ۔ (اتحافات ص ۳۵۶) (تواضع کا معنی عرفِ عام میں یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے حقیقی اور اصلی مرتبہ کے مقتضی سے خروج اور اپنے ہم مرتبہ اشخاص سے تنزل اختیار کرنا ہے اور محققین کے نزدیک یہ کہ کوئی شخص اپنے لئے کوئی فضیلت اور مرتبے کا خواہش مند نہ ہو اور جس حالت میں بھی ہو اس کو اپنے استحقاق سے زیادہ خیال کرنے اور سمجھے بھی۔ اور ابو یزید سے پوچھا گیا کہ ایک انسان کب متواضع کہلاتا ہے اس نے جواب میں کہا کہ جب بندہ اپنے کسی قول (گفتگو) یا حال (کیفیت) کو بڑا سمجھنے کا خواہش مند نہ ہو)

حضور اقدس ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر متواضع تھے۔ حضراتِ صوفیاءِ کرام کہتے ہیں، تواضع میں کمال تب آتا ہے جب تجلی شہود میں کمال حاصل ہو۔

علامہ بیجوری بھی یہی لکھتے ہیں کہ قال بعض العارفین "لا یبلغ العبد حقیقة التواضع الا اذا دام تجلی الشهود فی قلبه" (مواہب ص۲۲۷) کیونکہ اس سے نفس کا مقابلہ ہوتا ہے۔ کمزور پڑتا ہے اور تجلیٔ شہود سے نفس کی بیماریاں تکبر، عجب، ضد، خود پسندی اور سرکشی و بغاوت ختم ہو جاتی ہیں۔

حضور ﷺ سب لوگوں سے زیادہ متواضع تھے :

شیخ یوسف النبہانی" فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تواضع اور انکساری میں سب سے بڑھ کر تھے۔ بہت کم گو تھے، مگر آپ ﷺ کی کم گوئی کبر کی وجہ سے نہ تھی، جب بات کرتے تو بہت مختصر کرتے، بہت خوب روتے، دنیا کے کسی بڑے سے بڑے کام سے بھی نہ گھبراتے تھے، مگر اس حد تک بھی تواضع اور انکساری سے کام نہیں لیتے تھے کہ دوسرا آدمی آپ ﷺ کو حقیر سمجھنے لگے۔ (وسائل الوصول)

حضور اقدس" نے لکڑیاں جمع کرنا اپنے ذمہ لیا !

ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہ کرامؓ نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام آپس میں تقسیم فرمایا۔ ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال نکالنا، کسی نے پکانا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، فقال علی جمع الحطب یعنی پکانے کے لئے لکڑی اکٹھا کرنا میرے ذمہ ہے فقالوا یا رسول الله نکفیک العمل' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ حضرت ! یہ کام تو ہم خود کرلیں گے فقال قد علمت انکم تکفونی و لکن اکره ان اتميز عليكم و ان الله يكره من عبده ان يراه متميزا بين اصحابه ۔ (جمع ج۲ ص۱۶۱) حضور اقدس ﷺ نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کام کو بخوشی کرلو گے، لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجمع میں ممتاز رہوں اور اللہ کریم بھی اس کو پسند نہیں کرتے۔

چند متواضعانہ اعمال :

علامہ ملا علی قاریؒ نقل فرماتے ہیں لم یاکل متکأ بعد حتی فارق الدنیا و قال

اجلس کما یجلس العبد و آکل کما یا کل العبد و لم یقل لشیء فعله خادمه انس اف قط وما ضرب احدا من عبیده و امائه وهذا امر لایتسع له الطور البشری لولا التائید الالهی و عن عائشة انها سئلت کیف کان اذا خلا فی بیته قالت ألین الناس بساما ضحاکا لم یرقط مادا رجلیه بین اصحابه و عنها ما کان احد احسن خلقا منه مادعاه احد من اصحابه الا قال لبیک و کان یرکب الحمار و یردف خلفه (جمع ج۲ ص۱۶۰) (نبی کریم ﷺ نے کبھی (بلا عذر) تکیہ لگا کر کھانا اپنے وصال مبارک تک نہیں کھایا اور فرماتے کہ میں تو ایسا (متواضع) بیٹھتا ہوں جیسا کہ ایک بندہ اور غلام بیٹھتا ہے اور کھاتا بھی ایسا ہوں جیسے کہ ایک غلام کھاتا ہے اور کبھی اپنے خادم حضرت انسؓ کو کسی کام کرنے پر اُف تک نہیں کہا اور نہ کبھی اپنے غلاموں اور کنیزوں میں سے کسی کو مارا پیٹا اور یہ ایسے مشکل امور ہیں کہ اگر تائید خداوندی اس میں شامل حال نہ ہو تو نوع انسانی کو ان کے سرانجام دینے کی وسعت وقدرت نہیں ہوسکتی اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کا برتاؤ گھر میں کیسا ہوتا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سب لوگوں میں سے نرم مزاج والے۔ تبسم اور ہنسنے والے۔ یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کے درمیان پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے ہوں۔ اور حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے زیادہ اچھے اخلاق والا کوئی نہ تھا اور صحابہؓ (ساتھیوں) میں سے کسی نے بھی اگر آپ ﷺ کو بلایا تو آپ ﷺ نے اس پر لبیک فرمایا (کہ میں حاضر ہوں) اور آپ ﷺ گدھے پر (اکیلے) سوار ہوئے ہیں اور کسی دوسرے کو اپنا ردیف (پیچھے بیٹھنے والا) بھی بنایا ہے)

(۳۲۶/۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ وَسَعِیْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِیُّ وَ غَیْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاتُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصٰرٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع، سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن عینیہ نے زہری کے حوالہ سے خبر دی، انہوں نے عمر بن خطابؓ سے نقل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میری ایسی تعریف مبالغہ آمیز حد سے فزوں نہ کرو، جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا (کہ اللہ کا بیٹا بنادیا) میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

راویان حدیث (۵۹۷) سعید بن عبدالرحمٰن المخزومیؒ اور (۵۹۸) عبیداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مدح رسولؐ میں حد سے تجاوز ممنوع ہے :

لا تطرونی ...... **اطراء** کا معنیٰ کسی کی مدح میں حد سے تجاوز کرنا۔ **ھو مجاوزۃ الحد فی المدح** ۔(اتحافات ص ۳۵۶) **وھو المبالغۃ فی المدح والغلو** (مناوی ج ۲ ص ۱۶۱)(علامہ مناویؒ اطراء کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ کسی کی تعریف اور مدح میں مبالغہ اور غلو کرنا) یعنی میری مدح میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرو، جو خلاف واقع ہو، ورنہ مطلق مدح تو جائز ہے ، **فالمعنیٰ لا تجاوزوا الحد فی مدحی بغیر الواقع** ۔(مناوی ج ۲ ص ۱۶۱)

کما اطرت النصاری عیسی بن مریم ...... جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کی مدح میں مبالغہ کیا۔ حد سے تجاوز کیا۔ یہاں تک کہ اسے اللہ کا بیٹا قرار دیا، کبھی عین اللہ کہا اور کبھی ثالث ثلاثہ بنادیا **وکما حرفوا قولہ تعالیٰ فی الانجیل عیسی نبی وانا ولدتہ** (جمع ج ۲ ص ۱۶۱) (اور جیسے کہ نصاریٰ نے انجیل میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کہ ''عیسیٰ میرا نبی ہے اور میں نے اس کو جنا ہے'' میں تحریف (ردوبدل) کی ہے)

یہ کفریہ عقائد مدح میں غلو حدود سے تجاوز اور بے جا مبالغہ آرائی سے پیدا ہوئے اور اس نہی کا سبب بھی یہی ہے کہ بعض صحابہؓ نے آپ علیہ کی بارگاہ میں سجدہ **علی قصد التعظیم و ارادۃ التکریم** (بارادہ تعظیم وتکریم) کی اجازت چاہی، تو آپ علیہ نے اجازت نہ دی اور منع فرمایا۔

مقامِ عبدیت و رسالت :

انما انا عبد الله فقولوا عبد الله و رسوله : مجھے اللہ کا بندہ کہو اور اس کا رسول' میں مقام عبدیت میں ہوں، پھر کلمۂ شہادت میں اس کا اعلان کرایا گیا۔ **واشهد ان محمدا عبده و رسوله** (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں) سورۃ کہف میں ارشاد ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (کہف:۱) (سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد) پر کتاب (قرآن مجید) کو اتارا) سورۃ بنی اسرائیل میں بھی اللہ پاک نے آپ ﷺ کے لئے عبدیت کا مقام پسند فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا...... (بنی اسرائیل:۱) (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات کے وقت لے گیا) عبدیت و رسالت انتہائی صفتِ کمال ہے۔ **وهذا غاية الكمال فى مرتبة المخلوق فلا تقولوا فى حقى شيئا ينافى هاتين الصفتين ولا تعتدوا فى شانى وصفا غيرهما** (جمع ج ۲ ص ۲۹۱) (اور مرتبہ مخلوق میں عبدیت و رسالت انتہائی صفتِ کمال ہے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگ میرے حق میں کوئی ایسی نسبت نہ کیا کریں جو ان دو صفات کے منافی ہو اور میری شان میں ان دو اوصاف کے علاوہ کوئی تجاوز بھی نہ کریں)

والى هذه الزبدة اشار صاحب البردة بقوله ...... ؎

دع ما دعته النصارىٰ فى نبيهم
واحكم بما شئت مدحا فيه واحتكم

ترجمہ : تو اپنے حبیب کی صفت کرتا جا' اور ہر طرح کی صفت کر' جس طرح جی چاہے' مگر نصاریٰ کی طرح نہیں کہ جس طرح اُنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کی صفت کی تھی۔

آپ ﷺ کی دو صفتوں کا ذکر آپ ﷺ کی دیگر متنوع صفاتِ کمال کی نفی نہیں۔

وما احسن قول ابن الفارض ...... ؎

ارى كل مدح فى النبى مقصرا — **وان بالغ المثنى عليه و اكثرا**
اذا الله اثنى بالذى هو اهله — **عليه فما مقدار ما يمدح الورىٰ**

و لقد احسن من قال من ارباب الحال

ما ان مدحت محمدا بمديحتي　　　بل قد مدحت مديحتي بمحمد

(جمع ج ۲ ص ۱۶۲)

(اور کتنا اچھا اور حسین ہے ابن فارض'' کا قول۔ میں تو نبی کریم ﷺ کی شان میں ہر مدح میں فروگذاشتی کا خیال کرتا ہوں۔

اگر چہ ثناء و مدح کرنے والا اس کی مدح میں کثرت سے مبالغہ بھی کرے جب اللہ تعالیٰ نے اس کی ثناء و مدح ایسی ہی کی ہے۔

جس کے وہ لائق ہیں تو پھر مخلوق کی مدح کی مقدار کی کیا قدر و قیمت ہوگی اور کیا خوب کہا ارباب حال میں سے جس نے یہ کہا کہ میں نے اپنے اس مدح کرنے میں محمد ﷺ کی تو کوئی تعریف و مدح نہیں کی بلکہ میں نے اپنی مدح ہی کی تعریف محمد ﷺ کے ذریعہ کردی)

(۳۱۷/۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ امْرَاَةً جَاءَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ لِيْ اِلَيْكَ حَاجَةً فَقَالَ اجْلِسِيْ فِيْ اَيِّ طَرِيْقِ الْمَدِيْنَةِ شِئْتِ اَجْلِسْ اِلَيْكِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سوید بن عبدالعزیز نے حمید کے واسطے سے خبر دی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی عورت نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے کچھ تخلیہ میں عرض کرنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی سڑک کے راستہ میں بیٹھ جا میں وہیں آکر سن لوں گا۔

راوی حدیث (۵۹۹) سوید بن عبدالعزیزؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک بے وقوف خاتون کی حاجت برآری :

إن امرأة جاءت الى النبى صلى الله عليه وسلم ...... یہ خاتون کون تھیں، اور نام کیا تھا، لم يقف الشراح على اسم المراة (اتحافات ۳۵۷) (شارحین حضرات اس عورت کے نام سے واقف نہیں ہوئے) و في بعض حواشي الشفا اسمها ام زفر (مواہب ص ۲۲۸) (کتاب الشفاء کے بعض حواشی میں ہے کہ اس عورت کا نام ام زفر تھا) البتہ اس پر تصریح ہے کہ یہ عورت انصار سے تھیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ چھوٹا بچہ بھی تھا اور شارحین نے اس پر بھی تصریح کی ہے کہ اس کی عقل میں فتور تھا، یا وہ آزاد منش اور بازار میں گھومنے والی خاتون تھیں یوں بوجہ فتور عقل کے گلی کوچوں میں پھرتی رہتی ہوگی۔ اس لیے حضور اقدس ﷺ نے وہیں جا کر ان کی بات سننے کا ارشاد فرمایا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کے نزدیک بعید نہیں کہ ایسی عورتوں کو زنانہ مکان پر بلانے میں مستورات کو دقتیں اور مشکلات پیش آیا کرتی ہیں، جیسا کہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے حضور اکرمؐ نے سڑک ہی پر بات سن لی۔

کمال تواضع کی انتہا :

ارشاد فرمایا، اجلسي في اى طريق المدينة شئت یعنی ایک طرف ہو کر بیٹھ جا اور میں وہاں بیٹھ کر تیری ہر بات سنوں گا۔ علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے فرمایا کہ کسی اجنبی خاتون کے ساتھ تنہائی نہ ہو تا کہ شریر طبیعت کے افراد کو کسی قسم کی شرارت کرنے کا موقع میسر نہ ہو۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ”حضور اقدس ﷺ کا ایک بے وقوف سی عورت کی ضرورت کے لئے سرِ راہ بیٹھ جانا یہ آپ ﷺ کی کمال تواضع ہے“۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ”هذا (الحديث) دليل على مزيد تواضعه وبراء ته من جميع انواع الكبر“ (جمع ج۲ ص ۱۶۳) (یہ حدیث تو حضور ﷺ کی مزید تواضع عاجزی کی دلیل اور تکبر و بڑائی کی سب اقسام سے براءت اور بیزاری کا اظہار ہے)

ایک خاتون جس کے لئے آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھائی :

علامہ یوسف النبہانیؒ نقل کرتے ہیں کہ ابوالطفیل کہتے ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور وہ آپ ﷺ کے قریب آ گئی۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ حضور اقدس ﷺ کی جانب سے اس عورت کا یہ اعزاز و اکرام دیکھا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے، ساتھیوں نے کہا کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی رضائی ماں ہے۔

اخذِ مسائل :

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کا کوئی خاص دربار نہیں ہوتا تھا' یہ بھی تواضع ہے' اور یہ معلوم ہوا کہ راستہ پر ضرورت کی وجہ سے بیٹھنا جائز ہے۔ تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ یہ خلوۃ بالاجنبیۃ نہیں تھی، خلوت تب ہوتی، جب لوگوں کے سامنے بیٹھنا نہ ہوتا

فیہ تنبیہ علی ان الخلوۃ مع المرأۃ فی زقاق لیس من باب الخلوۃ فی بیت معھا (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۵۱۹)

(اس میں تنبیہ ہے کہ کسی عورت کے ساتھ گلی راستہ میں خلوت (علیحدگی) کرنا یہ اس خلوت کے حکم میں نہیں ہے جو کہ کسی عورت اجنبیہ کے ساتھ گھر میں ہو)

(۳۱۸/۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ مُسْلِمٍ الْاَعْوَرِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ وَكَانَ يَوْمَ بَنِيْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حِمَارٍ مَخْطُوْمٍ بِحَبْلٍ مِّنْ لِيْفٍ عَلَيْهِ اِكَافٌ مِّنْ لِيْفٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن مسہر نے مسلم اعور کے حوالہ سے خبر دی، اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مریضوں کی عیادت

فرماتے تھے۔ جنازوں میں شرکت فرماتے تھے، گدھے پر سوار ہو جاتے تھے، غلاموں کی دعوت قبول فرما لیتے تھے۔ آپ ﷺ بنو قریظہ کی لڑائی کے دن ایک گدھے پر سوار تھے، جس کی لگام کھجور کے پتوں کی تھی اور کاٹھی بھی اس کی تھی۔

راوی حدیث (۶۰۰) مسلم الاعور ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مریض کی عیادت :

یعود المریض ' یعنی بیماروں کی بیمار پرسی فرماتے تھے۔ ملا علی قاریؒ نے یہاں پر تفصیل لکھی ہے۔ ذیل میں اس کی تلخیص دی جا رہی ہے۔

حضور اقدس ﷺ بیمار کی عیادت کرنے میں کوئی فرق یا تمیز نہیں برتتے تھے۔ ہر ایک شخص کو چاہے وہ آزاد ہوتا یا غلام، جوان ہوتا یا بوڑھا، عورت ہوتی یا مرد، مسلمان ہوتا یا کافر، بیمار پُرسی فرماتے۔ مریض کے قریب بیٹھتے، اس کے سر سے اسے پیار فرماتے، پھر اس کا حال دریافت فرماتے۔ اس کو تسلی دیتے، نہایت مشفقانہ اور محبت سے بھری ہوئی گفتگو بیمار کے ساتھ کرتے۔ وکان یقول للمریض کیف تجدک او کیف اصبحت اوکیف امسیت ' اولاباس علیک ' طھور ان شاء اللہ او کفارۃ و طھور (اتحافات ۳۵۸) (اور آپ ﷺ مریض سے فرماتے کہ تو اپنے آپ کو کیسے پاتا ہے (یعنی آپ کی طبیعت کیسی ہے) یا آپ نے صبح کس طرح کی یا فرماتے کہ آپ نے شام کس طرح کی یا اس کو فرماتے کوئی فکر نہ ہو تو (بیماری کے سبب) انشاء اللہ پاک ہو یا (یہ بیماری) کفارہ اور گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے) جو جگہ اس کی دکھتی یا جس جگہ اسے درد ہوتا، وہاں اپنا مبارک ہاتھ پھیرتے، اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دم ڈالتے۔

حضرت علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ'' بیمار کی درد کی جگہ پر ہاتھ مبارک رکھ کر فرماتے بسم اللہ ارقیک من کل داء یوذیک اللہ یشفیک (اللہ کے نام سے میں ہر اس بیماری سے جو تجھے تکلیف دے دم کرتا ہوں اللہ تجھے شفاء دے) اور صحیحین یعنی بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ جناب جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہو گیا۔

حضور اکرم ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ ان دونوں گرامی قدر حضرات نے مجھے بے ہوش پایا، تو نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا۔ سو مجھے افاقہ ہو گیا، تو حضور پاک ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا اور ابو داؤد میں ہے کہ فنفخ فی وجھی فافقت میرے منہ پر دم کیا تو مجھے افاقہ ہو گیا اور اسی میں ہے کہ ارشاد فرمایا: یاجابر لا اراک میتا من وجعک ھذا اے جابر تو اس درد سے نہیں مرے گا۔ یجب للمسلم علی المسلم ست یعنی ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں"۔

جن میں سے ایک بیمار پرسی کا بھی ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔ امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کسی مریض کو دیکھنے جاتے یا کوئی بیمار آپ کی خدمت میں حاضر کیا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے اذھب الباس ربّ الناس ، واشف انت الشافی ، لا شفاء الا شفائک شفاء لا یغادر سقما (اتحافات ص ۳۵۸) (اے لوگوں کے ربّ! اس (مریض) کے خوف و تکلیف کو دور فرما دے اور اس کو شفاء دے تیری ہی ذات شفاء دینے والی ہے تیری شفاء کے علاوہ تو کوئی شفاء ہے ہی نہیں اسے ایسی شفاء دے دے جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے)

حضور ﷺ کا بیمار پُرسی فرمانا علاوہ اور باتوں کے کمال تواضع بھی ہے۔ اس لئے کہ لان التواضع خروج الانسان عن مقتضی جاھہ و تنزلہ عن مرتبة امثالہ (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) (تواضع کسی انسان کا اپنے جاہ و مرتبہ کے مقتضی سے خروج اور اپنے ہم مرتبہ اشخاص سے تنزلی اختیار کرنا ہے)

ایک یہودی لڑکے کی عیادت اور دعوتِ اسلام :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نقل فرماتے ہیں :

مریضوں کی عیادت جس درجہ کا بھی بیمار ہو شریف ہو یا کوئی معمولی آدمی ہو، حتیٰ کہ غیر مسلموں کی عیادت بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک یہودی لڑکا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، کوئی خدمت بھی کبھی کر دیتا تھا، وہ بیمار ہوا۔ حضور اکرم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اُس کا آخری وقت تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے

شفقت کے طور پر اپنا حق ادا فرمایا اور اس کو اسلام کی تبلیغ فرمائی، اس نے اپنے یہودی باپ کی طرف دیکھا، اُس نے اجازت دیدی اور وہ مسلمان ہوگیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ کا شکر ادا فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہی حمد کا سزاوار ہے، جس نے میری وجہ سے اس کو عذابِ جہنم سے بچادیا۔ یہی نہیں بلکہ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے بھی حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے، حالانکہ اس سے بہت سی اذیتیں پہنچی تھیں۔ (خصائل)

ترمذی میں ہے من عاد مریضا لم یحضر اجله فقال عنده " اسأل الله العظیم ' رب العرش العظیم ان یشفیک (سبعاً) فان الله تعالیٰ یشفیه۔ (اتحافات ص ۳۸۷) (جس نے ایسے مریض کی عیادت کی کہ ابھی تک اسے پیغام موت نہیں پہنچا تھا اس کے پاس یہ دعا سات دفعہ پڑھی کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو بڑی عظمت والے اور عرشِ عظیم کے مالک ہیں یہ سوال کرتا ہوں کہ تجھے شفاء دے دے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے شفاء دے دیتا ہے)

عیادت کے اوقات کی تعین نہیں:

آپ ﷺ نے بیمار پرسی کے لئے کسی خاص وقت کو مقرر نہیں فرمایا، بلکہ حسب فرصت وضرورت رات دن میں کسی وقت یہ عمل فرمالیا کرتے۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں ولم یکن من هدیه علیه الصلوۃ والسلام ان یخص یوما من الایام بعیادۃ المریض ولاوقتا من الاوقات بل شرع لامته عیادۃ المرضیٰ لیلًا و نهارًا و فی سائر الاوقات و فی المسند عنه و اذا عاد الرجل اخاه المسلم مشی فی خرفة الجنة حتی یجلس فاذا جلس غمرته الرحمة فان کان غدوۃ صلی علیه سبعون الف ملک حتی یمسی و ان کان مساء صلی علیه سبعون الف ملک حتی یصبح۔ (زاد المعاد ج اص ۱۷۰) (نبی کریم ﷺ کا طریقہ اور عادت مبارک بیمار پرسی کے متعلق نہ کسی خاص دن اور نہ کسی خاص وقت کی تعیین تھی بلکہ اپنی امت کی سہولت کے لئے دن اور رات کے سارے اوقات میں حسب فرصت بلاتکلف عیادتِ مریض کو مشروع اور جائز فرمایا ہے اور حدیث مرفوع میں آپ ﷺ سے منقول ہے کہ جب ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کی بیماری پرسی کرتا ہے تو گویا جنت کے باغ میں جارہا ہے تا آنکہ (بیمار کے پاس) بیٹھ جاتا ہے اور جب اس کے

پاس بیٹھتا ہے تو اس کو اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اگر وہ صبح کا وقت ہوتا ہے تو اس کے لئے شام تک ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کا وقت ہوتا ہے تو پھر صبح تک اس کے لئے ستر ہزار فرشتے دعا کرتے رہتے ہیں۔

جنازہ میں شرکت :

و یشھد الجنازة یعنی جنازہ پر تشریف لے جاتے۔ اس پر نماز ادا فرماتے اور اس کی مغفرت و بخشش کے لئے اللہ پاک سے دعائیں فرماتے اور ایسے مبارک ارشادات فرماتے' جو بڑی عبرت و موعظت کا باعث بنتے۔ ای یحضرھا لتشیعھا والصلوة علیھا سواء کانت لشریف أو وضیع فیتاکد لامته فعل ذلک اقتداء به صلی اللہ علیه وسلم۔ (مواہب ص ۲۲۸) (آپ ﷺ ہر مسلمان کے جنازہ پر تشریف لے جاتے چاہے وہ معزز اور شریف ہوتا یا غیر شریف تو گویا امت کے لئے آپ ﷺ ایسے امور کے بطور اپنے اقتداء کے تاکید فرما رہے ہیں)

گدھے پر سوار ہونا :

و یرکب الحمار اونٹ اونٹنی اور گھوڑے کی موجودگی میں بھی آپ ﷺ گدھے پر سواری کر لیا کرتے تھے اور بسا اوقات کسی کو اپنے ساتھ بھی بٹھا لیا کرتے تھے ۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں ای مع قدرته علی الناقة والفرس والجمل و ربما کان یردف احد معه (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) جب حضور اقدس ﷺ مکۃ المکرمہ تشریف لائے۔ بنی عبد المطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بچے کو آگے بٹھا لیا اور ایک کو اپنے پیچھے۔ وجاء فی مختصر السیرة للمحب الطبری ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم رکب حمارا الی قباء' وکان مع ابوھریرة فقال احملک بھافقال ماشئت یارسول اللہ! فوثب لیرکب' فلم یقدر! فاستمسک به صلی اللہ علیه وسلم فوضعا جمیعاً و حاول ابوھریرة الرکوب مرة أخری فوضعا جمیعاً (اتحافات ص ۳۵۹)

(محب الطبری کی "مختصر السیرۃ" میں ہے کہ آپ ﷺ قباء جانے کے لئے گدھے پر سوار ہوئے ابوھریرہؓ وہاں تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر آپ ﷺ کو بھی سوار کر کے لے جاؤں گا ابوھریرہؓ نے فرمایا جیسے کہ آپ ﷺ کی مرضی ہو۔ تو ابوھریرہؓ نے سوار ہونے کے لئے چھلانگ لگائی لیکن چڑھ نہ سکے۔ نبی کریم ﷺ نے گدھے کو روکا تو دونوں گر پڑے ابوھریرہؓ نے پھر سوار ہونے کا ارادہ کیا تو پھر گر دونوں گئے)۔

عرب کے گدھوں میں ایک خاص قسم ہے جو جثہ میں ہمارے ہاں کے موٹے خچروں سے بھی بڑے ہوتے ہیں اور تیز رفتاری میں معمولی ٹٹوؤں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ وہ دو دو اور تین تین افراد کو بہ آسانی اُٹھا لیتے ہیں اور ہمارے ہاں کے معمولی گھوڑوں سے طاقت وقوت اور رفتار میں بڑھ کر ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی یہی ہوں۔ تاہم گھوڑوں کے مقابلہ میں یہ ادنیٰ درجہ کی سواری شمار ہوتی ہے۔ یہاں یہی مقصود ہے کہ آپ ﷺ کو باوجود اس عزت ورفعت اور عظمت ومقام کے جو دونوں جہاں کے سرداری سے حاصل تھا، گدھے کی سواری سے استنکاف نہ تھا۔ وتاسی به اكابر السلف في ذلك فقد كان لسالم بن عبد الله بن عمر حمار هرم فنهاه بنوه عن ركوبه فابى فجدعوا أذنه فركبه فجدعوا الاخرىٰ فركبه فقطعوا ذنبه فصار يركبه مجدوع الأذنين مقطوع الذنب (مواہب ص۲۳۸) (اور آپ ﷺ کی اقتداء میں بہت سے اکابر واسلاف امت نے گدھے کی سواری کو پسند فرمایا چنانچہ حضرت سالم ابن عبد اللہ بن عمرؓ کا ایک بہت بوڑھا گدھا تھا اس کے بیٹوں نے اس پر سوار ہونے سے اس کو منع کیا لیکن حضرت سالمؒ نہ مانے تو انہوں نے گدھے کا ایک کان کاٹ دیا پھر بھی اس پر سواری کرتے رہے تو انہوں نے دوسرا کان بھی کاٹ دیا تو پھر بھی اس پر سوار ہوتے رہے تو حضرت سالمؒ کے بیٹوں نے گدھے کی دُم بھی کاٹ دی لیکن پھر حضرت سالمؒ کان اور دُم کٹے ہوئے گدھے پر سواری فرماتے تھے (اور اسے معیوب نہ جانتے تھے)

دعوت قبول فرمانا :

يجيب دعوة العبد آپ ﷺ غلاموں کی دعوت کو بھی قبول فرماتے۔ جا ہے

جس ضرورت و حاجت کے لئے آپ کو بلاتے۔ خواہ وہ قریب والے ہوتے یا دور والے ہوتے۔ جیسا کہ ایک روایت میں عبد کی جگہ المملوک کی تصریح بھی آئی ہے۔ ای الی ای حاجۃ دعاہ (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) ممکن ہے کہ یہاں ''العبد'' سے مراد ''عبد ماذون'' ہو جو اپنے مالک کی اجازت سے دوسرے کی دعوت کر سکتا ہے۔ یا عبد سے مراد آزاد کردہ غلام ہو۔ و سمی عبدا باعتبار ماکان فالمراد بہ المعتوق (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) (اور اس کو غلام باعتبار گذشتہ زمانہ کے کہا تو اس سے مراد آزاد شدہ غلام ہیں) کہ عبدِ معتوق ' آزاد ہونے کے بعد مفلس ہوتا ہے اور اگر غلام ہی کی دعوت ہے تو دعوت سے مراد حاجت کے لئے بلانا ہے۔ تاکہ عدم ملک کا شبہ نہ ہو، جیسا کہ شروع میں عرض کیا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو بھیج کر آپ ﷺ کو دعوت دیتا تھا تو قبول فرمالیتے اور استنکاف نہ فرماتے کہ دعوت دینے کے لئے صاحب خانہ یا اس کے خاندان کا فرد خود کیوں نہیں آئے۔ یہ صورت تب بنتی ہے' جب عبد سے مراد ''عبد رقیق'' ہو۔ جبکہ یہ وتیرہ متکبرین کا ہوتا ہے کہ وہ غلام کی دعوت یا غلام کے ذریعہ دعوت پر استنکاف کرتے ہیں' اسی بات کا تذکرہ ملا علی قاریؒ فرمارہے ہیں او کان یجیب دعوۃ العبد من عند سیدہ و لم یمتنع عن اجابتہ لعلم ما اتی سیدہ بنفسہ کما ھو شان الاکابر الزمان ۔(جمع ج ۲ ص ۱۶۴)

الغرض آپ عام لوگوں' فقراء' غرباء' مساکین' غلاموں اور محبین کی دعوت قبول فرمایا کرتے تھے۔ ان کے ہاں تشریف لے جاتے، ان کی دلجوئی فرماتے اور اس سے اُن کی عزت افزائی ہوتی تھی ۔ عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقعد علی الارض و یاکل علی الارض و یجیب دعوۃ المملوک ای علی خبز الشعیر و یقول لو دعیت الی ذراع لاجبت ولو اھدی الی کراع لقبلت و کان یعقل شاتہ ۔(جمع ج ۲ ص ۱۶۴) (حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ زمین پر بیٹھے بھی تھے اور اس پر کھانا بھی کھاتے اور آپ ﷺ آزاد شدہ غلام کی دعوت یعنی جو کی روٹی بھی قبول فرمایا کرتے اور کہتے کہ اگر میں بلایا جاؤں بکری کے دست (چوڑی) کھانے کے لئے تو بھی یہ دعوت قبول کروں گا اور اگر مجھے ہدیہ میں (بکری، گائے کے) پائے اور کھرے بھی دیے

جائیں تو بھی قبول کروں گا اور آپ ﷺ اپنے بکری کا دودھ نکالا (دوہا) کرتے)

بنوقریظہ !

وکان یوم بنی قریظة ...... جنگ احزاب جب ختم ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے ہتھیار اُتار دینا چاہے، مگر حضرت جبریئل تشریف لائے اور فرمایا کہ ہتھیار اُتارنے سے پہلے مدینہ کے نواح میں یہودی آبادی بنوقریظہ کے متعلق فیصلہ کرلیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فتح احزاب کے بعد بنوقریظہ کے لئے لشکر روانہ فرمایا۔ اب حالت یہ تھی کہ یہودیوں کے لئے ہمیشہ کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ مسلمان غالب اور فاتحانہ انداز میں داخل ہو رہے تھے۔ اس روز بھی آپ ﷺ کے پاس نہ تو عمدہ سواری تھی اور نہ اس زمانے کے فاتحین اور سرداروں کی طرح کسی شان وشوکت کا اظہار تھا، نہ تو قیمتی اور شان وشوکت اور بنی ٹھنی لگام تھی، نہ کوئی عمدہ پالان، کجاوہ یا مقعد تھا، جس کا پالان "من لیف" یعنی کھجور کے پتوں سے بنا ہوا تھا۔

وعلیه اکاف ' اکاف لکڑی اور کاٹھی کو کہتے ہیں، یعنی پالان گدھے کی جس طرح زین گھوڑے کی ہوتی ہے۔ هو کالسرج للفرس " من لیف " من بیانیة و رکوب الحمار مع هذا الانتصار ' خلق لایقدر علیه الا السید المختار (اتحافات ص ۳۵۹) (اور گدھے پر سوار ہونا باوجود غلبہ اور کامیاب ہونے کے یہ ایسا بلند عالی خلق وخصلت ہے کہ حضور ﷺ کے علاوہ کسی میں بھی یہ قدرت نہیں کہ اس کو پسند واختیار کرے)

وقد نظم الحافظ العراقی معنیٰ هذ الخبر فاجاد حیث قال ......

یمشی مع المسکین والارملة	فی حاجة من غیر ما انفة
یردف خلفه علی الحمار	علی اکاف غیر ذی استکبار
یمشی بلا نعل و لا خف الی	عیادة المریض حوله الملا

(مناوی ج ۲ ص ۱۶۵)

(اور اسی کو بہتر انداز میں حافظ العراقی" نے منظوم کیا ہے کہ بغیر کسی استنکاف کے مسکینوں اور بے واؤں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان کے ساتھ چلا کرتے اور ردیف بنا کر

اپنے پیچھے بھی کسی کو گدھے کی پالان پر بٹھلاتے نہ تکبر اور غرور کرتے ہوئے۔ آپ ﷺ بغیر جوتوں اور موزوں کے بھی بیمار پرسی کے لئے بڑی جماعت کے ہمراہ تشریف لے جاتے (یا یہ مطلب کہ آپ ﷺ بغیر جوتے اور موزوں کے بیمار پرسی کو تشریف لے جاتے اور بیمار کے پاس ایک بڑی جماعت موجود ہوتی تھی)

(۳۱۹/۴) حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى الْكُوْفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْعٰى اِلٰى خُبْزِ الشَّعِيْرِ وَالْاِهَالَةِ السَّنِخَةِ فَيُجِيْبُ وَلَقَدْ كَانَتْ لَهٗ دِرْعٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ فَمَا وَجَدَ مَا يَفُكُّهَا حَتّٰى مَاتَ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں واصل بن عبدالاعلیٰ کوفی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن فضیل نے اعمش کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جو کی روٹی اور کئی دن کی باسی پرانی چکنائی کی دعوت کیے جاتے تو آپ ﷺ (اس کو بھی بے تکلف) قبول فرما لیتے۔ آپ ﷺ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ اخیر عمر تک حضور اکرم ﷺ کے پاس اس کے چھڑانے کے لائق دام نہیں ہوئے

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

یدعی الی خبز الشعیر...... شعیر جو کو کہتے ہیں۔ الاہالہ ہر وہ روغن جو بطور سالن کے استعمال ہو، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ تیل جو چربی یا الیہ (دنبے کی لاٹ) سے پگھلا کر نکالا گیا ہو اور بعض منجمد دسومة کو کہتے ہیں جیسے کہ ملا علی قاریؒ بھی لکھتے ہیں کہ وھو کل شیء من الادھان مما یؤتدم و قیل ما اذیب من الالیة و الشحم و قیل الدسم الجامد (جمع ج ۲ ص ۱۶۵)

السنخة قال الزمخشری سنخ اذا تغیر و فسد و اصله فی الأسنان یقال سنخت الأسنان اذا فسدت أسناخها (علامہ زمخشریؒ سنخة کا معنی یہ کرتے ہیں کہ جب کسی چیز

اور کھانے میں تغیر تبدل اور فساد آ جائے تو پھر کہا جاتا ہے کہ سنخ ای الشئی او الطعام ۔ اور دراصل اس کا ماخذ دانتوں میں سے ہے۔

عرب محاورہ میں کہا جاتا ہے سنخت الاسنان جب دانتوں کی جڑ اور بنیاد میں خرابی آ جائے) شیخ البیجوریؒ تو اس سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ و یوخذ من ذلک جواز اکل المنتن من لحم وغیرہ حیث لاضرر (مواہب ص۲۳۹) (کہ جب کسی ضرر اور نقصان کا احتمال نہ ہو تو پھر بدبودار چیز کا کھانا (چاہے گوشت ہو یا کوئی اور چیز) جائز ہے) بعض لوگوں نے اس کے معنی میں بدبودار کا اضافہ کیا ہے مگر یہ درست نہیں ۔ پرانا ہونا، منجمد ہونا اور بات ہے اور بدبودار ہونا اور بات' آپ ﷺ نظیف تھے اور بدبودار چیز آپ ﷺ کو ناپسند تھی ۔ اس لئے پیاز کھا کر مسجد جانے سے بھی منع فرمایا۔

سادگی اور فروتنی کی انتہاء :

ولقد کانت له درع ' آپ ﷺ کی سادگی اور فروتنی کا یہ عالم تھا کہ زندگی کے آخری ایام میں بھی آپ کی زرہ (جس کا نام ذات الفضول تھا) کسی ضرورت کے پیش نظر ایک یہودی (جس کا نام ابوشحم تھا) کے پاس رہن پڑی ہوئی تھی' بعد میں اسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آزاد کرا کے بیت المال میں جمع کرایا۔

فما وجدها یعنی وصال تک رقم مہیا نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ اسے یہودی سے نہ چھڑا سکے، لانہ صلی اللہ علیه و سلم مات فقیرا و قد فکھا من بعده ابوبکر ' و قیل الامام علی ، و ھذه الحال مع ما کان علیه النبی صلی اللہ علیه و سلم من مال خیبر و ارض فدک و غنائم الجھاد ۔ (اتحافات ص۳۶۰) (اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فقیری کی حالت میں وصال فرمایا اور آپ ﷺ کے بعد ابوبکرؓ نے اسے چھڑا لیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے چھڑایا تھا اور آپ ﷺ نے زندگی اس فقیرانہ حال میں گزاری باوجودیکہ مال خیبر فدک والی زمین اور جہاد میں مال غنیمت وغیرہ کے اسباب موجود تھے)

اخذِ مسائل :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مسلم کے ساتھ خرید و فروخت، رہن اور قرض کا لینا دینا جائز ہے۔ وکان الرهن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عند الیهودی لبیان جواز ذلک۔ (اتحافات ص۳۶۰)

بحالتِ قرض انتقال پر ایک شبہ اور جواب :

اگر شبہ ہو کہ آپ ﷺ تو اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے، جو اپنے اوپر دَین چھوڑ جاتے تھے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے ذمہ قرضہ چھوڑا۔ جواب یہ ہے کہ وہ جنازہ نہ پڑھنا اس لئے تھا کہ وہ لوگ باوجود قدرت کے قرض خواہ کو قرض ادا نہیں کرتے تھے۔ یا اس دَین کی ادائیگی کے لئے کچھ باقی نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ ﷺ کو تو ادا کی قدرت نہ تھی۔ دوسرے وفاءِ دَین کے لئے زرہ یہودی کے پاس چھوڑ دی تھی جو اس کے قرض سے زائد قیمت کی تھی۔ دوسرے صحابہ کرامؓ جیسی جانثار جماعت کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ نے جو یہود عدو اللہ وعدو المسلمین کے پاس زرہ رہن رکھی۔ اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ معاملات اور معاوضہ مالی اجانب سے کرنا چاہئے تاکہ اپنے احباب اور اقارب سے معاملہ کر کے کبھی قطع تعلقات کی نوبت نہ آئے۔

اگر چہ صحابہ کرامؓ پر اور خود آنحضرت ﷺ پر فقر و فاقہ کا دور گزرا ہے، مگر آخر عمر میں نہ آپ ﷺ کی یہ حالت تھی اور نہ صحابہ کرامؓ کی تھی۔ قریباً سو (۱۰۰) کے قریب صحابہ کرامؓ متمول تھے، مگر پھر بھی آپ ﷺ نے زرہ کو یہودی کے پاس رہن رکھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو اشارہ تک نہیں کیا، ورنہ حضور ﷺ کے لئے تو جان حاضر تھی، یہ ادنیٰ رقم کون نہیں دے سکتا تھا۔ تو یہ غایت تواضع پر محمول ہے اور اُمت کو تعلیم دینا ہے کہ جس سے تعلقات تھے۔ اس سے معاملہ نہیں کیا کہ اوّلاً تو کوئی رہن نہیں رکھے گا، اگر کوئی رکھے گا تو تکلف کرے گا، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اطلاع کرنا بھی گوارا نہ کیا۔

(۳۴۰/۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الرَّبِيْعِ بْنِ صَبِيْحٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبَانٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَجَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَحْلٍ رَثٍّ وَّ عَلَيْهِ قَطِيْفَةٌ لَا تُسَاوِيْ اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا لَا رِيَاءَ فِيْهِ وَلَا سُمْعَةَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد حفری نے سفیان کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ربیع بن صبیح سے اور انہوں نے یزید بن ابان سے نقل کی۔ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک پرانے پالان پر حج کیا۔ اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، جو چار درہم کا بھی نہیں ہوگا اور حضور ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ یا اللہ اس حج کو ایسا حج فرمائیو، جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔

راویان حدیث (۶۰۱) ابوداؤد الحفریؒ اور (۶۰۲) الربیع بن صبیحؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

رحل اونٹ کے پالان' رث بوسیدہ' پھٹے' پرانے اور '' قطیفة '' پرانی چادر کو کہتے ہیں، جس پر حاشیہ لگا ہوا ہو۔

تواضع وعبدیت کا اظہار :

مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں آ گیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی کمالِ تواضع' فروتنی اور عاجزی تھی، جس کا اظہار بارگاہِ قدس میں فرمایا، ورنہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر قسم کی عنایتوں' بخششوں اور نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔

جس کا اظہار بھی آپ ﷺ نے اس موقع پر یوں کیا تھا کہ اسی حج مبارک میں قربانی کے وقت ایک سو اونٹ کی قربانی اللہ کے حضور میں پیش فرمائی اور صحابۂ کرامؓ کو وہ کچھ عطا فرمایا، جس کا کوئی حساب ہی نہیں۔

ریا و شہرت سے حفاظت کی دعا :

اللھم اجعله حجاً ...... یعنی اے اللہ! اس حج کو ایسا حج بنا، جس میں نہ تو دکھاوا ہو اور نہ ہی سمعہ وشہرت' یعنی اللہ کریم کے حضور اپنی عاجزی' مسکینی اور تواضع وعبدیت کا اظہار بھی کمال درجے کا فرماتے۔ بہر حال یہ دعا حضور اقدس ﷺ کے تواضع وعبدیت کی اعلیٰ دلیل ہے، کیونکہ اس سے نہ تو ریاکاری پیدا ہوتی ہے، اور نہ سمعہ وشہرت کا شائبہ، پھر ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ بھی معصوم ہونے کی وجہ سے ان چیزوں سے پاک تھے۔ اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ یہ دعا تعلیم اُمت کی غرض سے تھی۔

ہاں! ریاکاری اور شہرت وسمعہ تو ان لوگوں میں آ سکتا ہے، جو کہ نفیس سواریوں پر بیٹھیں اور اعلیٰ وعمدہ قیمتی لباس پہن کر حج کریں۔ عیش وعشرت کے سامان واسباب کا اس کے پاس وفور ہو ان کے پاس گروہ در گروہ اونٹوں کی جماعتیں ہوں۔ یہ ساری باتیں ہمارے اس دور کے اہل علم کے لئے عبرت ہیں' اگرچہ حضور اقدس ﷺ نے اسی حج میں ایک سو اونٹ ذبح کیئے۔ اپنے صحابہ کرام کو تحفے دیئے اور سخاوت اس قدر کی کہ کسی شخص نے اس سے پہلے نہ سنی نہ دیکھی۔ ان اصحاب میں سے ایک مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ کو ہدیہ کے طور پر بے شمار اونٹ عطا کئے۔ مزید براں تین سو دینار بھی ان کی طرف بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر عطاء دیکھ کر حیران رہ گئے اور قبول نہ کر سکے، **و منهم عمر اهدى فيما اهدى له بعيرا اعطى فيه ثلثمائة دينارا فأبى قبولها۔**

(مناوی ج ۲ ص ۱۶۸)

(۳۲۱/۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا عَفَّانُ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانُوْآ اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عفان نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن سلمۃ نے حمید کے واسطہ سے خبر

دی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کے نزدیک حضور ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا۔ اس کے باوجود پھر بھی وہ حضور اقدس ﷺ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کو یہ پسند نہیں تھا۔

صحابہ کرامؓ اور محبت رسول ﷺ:

لم یکن شخص احب الیھم ...... یعنی صحابہ کرامؓ کے لئے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی دوسرا شخص نہیں تھا اور کیسے کوئی دوسرا آدمی پیارا اور محبوب ہو سکتا ہے، جبکہ سرور عالم ﷺ نے ان کو دولتِ توحید سے نوازا۔ گمراہی کے عمیق گڑھوں سے نکال کر سعادت اور نیک عملی کی بلندیاں نصیب فرمائیں۔ جہنم کے عذاب سے بچا کر جنت کی نعمتیں مرحمت فرمادیں۔ جاہلی عرب کی انتہائی بداخلاقیوں سے چھٹکارا دلا کر مکارمِ اخلاق پر فائز فرمایا۔

نیز آنحضور ﷺ ذاتِ ستودہ صفات کو محبوب رکھنا ہی تکمیل ایمان ہے۔ حضور ﷺ کی محبت کے بغیر تو مسلمان' مسلمان ہی نہیں ہوتا۔ الا لا ایمان لمن لا محبة له آگاہ رہو کہ جس شخص کو حضور ﷺ سے محبت نہیں، اس کا ایمان مکمل ہی نہیں۔

ایک بار سیدنا امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ نے عرض کیا "اے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ! ہر ایک چیز سے آپ مجھے پیارے ہیں، سوائے اپنی جان کے"۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں' جب تک کہ تجھے میں اپنی جان سے بھی پیارا نہ ہو جاؤں"۔

تو حضرت عمرؓ کچھ دیر خاموش رہے، پھر عرض کیا کہ "اب آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں"۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا الآن تم ایمانک یا عمر اے عمر! اب تیرا ایمان پورا ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ اپنے باپ' بھائی' ماں اور ہر چیز سے زیادہ حضور ﷺ سے محبت فرماتے ہیں اور آنجناب ﷺ کے عشق میں مست و الست تھے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حضور اقدس ﷺ کی محبت کاملہ وصادقہ عطا فرمائے۔ (آمین)

حضور اقدسؐ اپنے لئے لوگوں کا کھڑا ہونا پسند نہیں فرماتے تھے :

لم یقوموا لما یعلمون ...... اگرچہ حضرات صحابہ کرامؓ کی قلبی محبت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی آمد کے موقع پر آپ کے احترام میں کھڑے ہوں، مگر چونکہ آپ ﷺ اس قسم کی ظاہر داریوں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

علماءِ کرام نے اس کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ حضور اقدس ﷺ اکثر اوقات ضروریات کے لئے گھر آتے جاتے تھے اور ضروریات کے لئے بار بار اٹھنا اور آنا جانا پڑتا تھا، تو اس طرح ہر وقت صحابہ کرامؓ کا اٹھنا بیٹھنا آپ ﷺ کو ناگوار تھا۔ اسی میں کمالِ تواضع کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

تعظیماً کھڑا ہونا مستحب ہے :

بعض علماء نے اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہی نہیں ہونا چاہئے۔ حالانکہ خود حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ آپ ﷺ کئی دفعہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے واقعات سے قیامِ تعظیمی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ مسجد میں ہمارے ساتھ باتیں کرتے تھے اور جب کھڑے ہو جاتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے، جب تک کہ آپ ﷺ دولت خانہ میں تشریف نہ لے جاتے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحدثنا فاذا قام قمنا قیاماً حتی نراہ قد دخل۔ (جمع ج۲ ص۱۷۰)

اس لئے امام نوویؒ بھی فرماتے ہیں کہ اربابِ فضل و کمال اور ذی وجاہت و ذی شرف لوگوں کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ وھذا القیام للقادم من اھل الفضل من علم او صلاح او شرف مستحب۔ (جمع ج۲ ص۱۷۰)

حضورِ اکرم ﷺ نے بھی انصار صحابہ کرامؓ سے فرمایا' قوموا الی سیدکم (تم اپنے سردار کے لئے اٹھ کھڑے ہو) محشی مشکوٰۃ شریف بحوالہ مرقات لکھتے ہیں ، قال البیھقی ھذا القیام یکون علی وجہ البر والاکرام کما کان قیام الانصار لسعد و قیام طلحۃ لکعب بن مالک (امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کھڑا ہونا اعزاز واکرام کے لئے تھا جیسے کہ قبیلہ انصار کا حضرت سعدؓ کے لئے کھڑا ہونا اور حضرت طلحہؓ کا کعب بن مالکؓ کے لئے کھڑا ہونا) اور اس کے ساتھ یہ بھی ذکر ہے کہ و فی حدیث سعد دلالۃ علی ان قیام المرء بین یدی الرئیس الفاضل و الوالی العادل و قیام المتعلم للمعلم مستحب غیر مکروہ (مشکوٰۃ ص ۴۰۳) (اور حضرت سعدؓ کے واقعہ سے دلالۃً معلوم ہوتا ہے کہ عادل بادشاہ یا ایک معزز رئیس کے لئے کھڑا ہونا نیز شاگرد کا استاد کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے مکروہ نہیں ہے)۔

محققین کی رائے :

محققین کی رائے بھی یہی ہے کہ روایات میں تعارض نہیں ہے، بلکہ کھڑے ہونے کے اسباب اور وجوہ مختلف ہیں۔ اس وجہ سے احادیث میں بھی مختلف احکام ملتے ہیں۔

کھڑے ہونے کی چار قسمیں :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نقل فرماتے ہیں'' ابو الولید بن رشید کہتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے کھڑا ہونا چار طرح ہوتا ہے۔

(۱) ناجائز! ایسے شخص کے واسطے کھڑا ہونا ہے، جو تکبر کی وجہ سے اس کو پسند کرتا ہو کہ جب وہ آئے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ (۲) مکروہ! ایسے شخص کے لئے کھڑا ہونا ہے جو متکبر تو نہیں ہے، لیکن اندیشہ ہے کہ اس کے ساتھ اگر ایسا معاملہ کیا جائے تو اس میں تکبر اور عجب پیدا ہو جائے۔ (۳) جائز ہے! ایسے شخص کے لئے جہاں یہ اندیشہ نہ ہو۔ (۴) مستحب ہے! اس شخص کے واسطے کھڑا ہونا جو سفر وغیرہ سے آیا ہو، اس کے آنے کی خوشی میں کھڑا ہو جائے۔ (خصائل)

تعظیماً کھڑے ہونے کی ممانعت کی وجہ :

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ممانعت اس قیام کی ہے کہ بڑا آدمی بیٹھا رہے اور لوگ اس کے سامنے اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں، ملا علی قاریؒ بھی یہی لکھتے ہیں لیس ھذا من القیام المنھی عنه انما ذاک فیمن یقومون علیه و ھو جالس و یمکثون قیاما طول جلوسه (جمع ج ۲ ص ۱۷۱) ممانعت کی احادیث کی مراد یہ ہے کہ اس طرح نہیں کھڑا ہونا چاہئے، جس طرح کہ عجمی لوگ اپنے سرداروں کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق :

فقیہ النفس محدث کبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ فی حد ذاتہ کھڑا ہونا جائز ہے، جب تک کہ کوئی ایسا عارض پیش نہ آئے، جو اس کو ناجائز بنادے۔ مثلاً اس شخص کا فتنہ میں پڑ جانا، جس کے لئے قیام کیا ہے کہ اس میں تکبر وغیرہ پیدا ہوا اور اس کے دین وایمان کا نقصان ہو یا نفاق کے طور پر کھڑا ہو، مگر اس شخص کی عظمت واحترام دل میں نہ ہو یا ریاکاری ہو یہ صورتیں بہرحال ناجائز ہیں۔ انما کرھه تواضعاً و شفقة علیھم و خوفاً علیھم من الفتنة اذا افرطوا فی تعظیمه (مواہب ص ۲۲۰)

(اور آپ ﷺ کا ان کے کھڑے ہونے کو ناپسند فرمانا بطور اپنی تواضع اور ان پر رحم وشفقت کرنے (کہ بار بار کھڑے ہونے سے تکلیف ہوگی) نیز اس خطرہ کے پیش نظر بھی کہ کہیں تعظیم میں حد سے تجاوز کرکے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہوجاویں)

(۳۲۲/۷) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ مِنْ وُلْدِ اَبِيْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكْنٰى اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِيْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَاَلْتُ خَالِيْ هِنْدَ بْنَ اَبِيْ هَالَةَ وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَاَنَا اَشْتَهِیْ اَنْ یَّصِفَ لِیْ مِنْهَا شَیْئًا فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا
مُفَخَّمًا يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ قَالَ الْحَسَنُ
فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا ثُمَّ حَدَّثْتُهٗ فَوَجَدْتُهٗ قَدْ سَبَقَنِیْ اِلَيْهِ فَسَأَلَهٗ عَمَّا سَأَلْتُهٗ عَنْهُ
وَوَجَدْتُهٗ قَدْ سَأَلَ اَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهٖ وَعَنْ مَخْرَجِهٖ وَشَكْلِهٖ فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا
قَالَ الْحُسَيْنُ فَسَأَلْتُ اَبِیْ عَنْ دُخُوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ
كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى مَنْزِلِهٖ جَزَّءَ دُخُوْلَهٗ ثَلَاثَةَ اَجْزَآءٍ جُزْءً لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَجُزْءً لِاَهْلِهٖ
وَجُزْءً لِنَفْسِهٖ ثُمَّ جَزَّءَ جُزْءَهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ فَيَرُدُّ ذٰلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ
وَلَا يَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا وَكَانَ مِنْ سِيْرَتِهٖ فِیْ جُزْءِ الْاُمَّةِ اِيْثَارُ اَهْلِ الْفَضْلِ بِاِذْنِهٖ
وَقَسْمُهٗ عَلٰى قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِی الدِّيْنِ فَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَةِ وَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَتَيْنِ وَ
مِنْهُمْ ذُو الْحَوَائِجِ فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَيَشْغَلُهُمْ فِيْمَا يُصْلِحُهُمْ وَالْاُمَّةَ مِنْ
مَسْئَلَتِهِمْ عَنْهُ وَاِخْبَارِهِمْ بِالَّذِیْ يَنْبَغِیْ لَهُمْ وَيَقُوْلُ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ
الْغَآئِبَ وَاَبْلِغُوْنِیْ حَاجَةَ مَنْ لَّا يَسْتَطِيْعُ اِبْلَاغَهَا فَاِنَّهٗ مَنْ اَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ
مَنْ لَّا يَسْتَطِيْعُ اِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُذْكَرُ عِنْدَهٗ اِلَّا ذٰلِكَ
وَلَا يَقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ غَيْرَهٗ يَدْخُلُوْنَ رُوَّادًا وَلَا يَفْتَرِقُوْنَ اِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ وَيَخْرُجُوْنَ
اَدِلَّةً يَعْنِیْ عَلَى الْخَيْرِ قَالَ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ مَخْرَجِهٖ كَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ فِيْهِ قَالَ كَانَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْزُنُ لِسَانَهٗ اِلَّا فِيْمَا يَعْنِيْهِ وَيُؤَلِّفُهُمْ
وَلَا يُنَفِّرُهُمْ وَيُكْرِمُ كَرِيْمَ كُلِّ قَوْمٍ وَيُوَلِّيْهِ عَلَيْهِمْ وَيُحَذِّرُ النَّاسَ وَيَحْتَرِسُ مِنْهُمْ
مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّطْوِیَ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُ بِشْرَهٗ وَخُلُقَهٗ وَيَتَفَقَّدُ اَصْحَابَهٗ وَيَسْأَلُ النَّاسَ
مِمَّا فِی النَّاسِ وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيْهِ وَيُقَبِّحُ الْقَبِيْحَ وَيُوَهِّيْهِ مُعْتَدِلُ الْاَمْرِ
غَيْرُ مُخْتَلِفٍ لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ اَنْ يَّغْفُلُوْا اَوْ يَمَلُّوْا لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهٗ عَتَادٌ لَا يُقَصِّرُ
عَنِ الْحَقِّ وَلَا يُجَاوِزُهُ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهٗ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ اَفْضَلُهُمْ عِنْدَهٗ اَعَمُّهُمْ
نَصِيْحَةً وَاَعْظَمُهُمْ عِنْدَهٗ مَنْزِلَةً اَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً وَّمُوَازَرَةً قَالَ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ
مَجْلِسِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ وَلَا يَجْلِسُ اِلَّا عَلٰى

ذِکْرٍ وَ اِذَا انْتَھٰی اِلٰی قَوْمٍ جَلَسَ حَیْثُ یَنْتَھِی بِهِ الْمَجْلِسُ وَ یَاْمُرُ بِذٰلِکَ یُعْطِیْ کُلَّ جُلَسَآئِهٖ بِنَصِیْبِهٖ لَایَحْسِبُ جَلِیْسُهٗ اَنَّ اَحَدًا اَکْرَمُ عَلَیْهِ مِنْهُ مَنْ جَالَسَهٗ اَوْ فَاوَضَهٗ فِیْ حَاجَةٍ صَابَرَهٗ حَتّٰی یَکُوْنَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ عَنْهُ وَ مَنْ سَاَلَهٗ حَاجَةً لَمْ یَرُدَّهٗ اِلَّا بِهَا اَوْ بِمَیْسُوْرٍ مِّنَ الْقَوْلِ قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهٗ وَ خُلُقُهٗ فَصَارَ لَهُمْ اَبًا وَ صَارُوْا عِنْدَهٗ فِی الْحَقِّ سَوَآءً مَجْلِسُهٗ مَجْلِسُ عِلْمٍ وَّحَیَآءٍ وَّ صَبْرٍ وَّ اَمَانَةٍ لَا تُرْفَعُ فِیْهِ الْاَصْوَاتُ وَلَاتُؤْبَنُ فِیْهِ الْحُرَمُ وَلَا تُنْثٰی فَلَتَاتُهٗ مُتَعَادِلِیْنَ یَتَفَاضَلُوْنَ فِیْهِ بِالتَّقْوٰی مُتَوَاضِعِیْنَ یُوَقِّرُوْنَ فِیْهِ الْکَبِیْرَ وَ یَرْحَمُوْنَ فِیْهِ الصَّغِیْرَ وَ یُؤْثِرُوْنَ ذَاالْحَاجَةِ وَ یَحْفَظُوْنَ الْغَرِیْبَ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن وکیع نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے بیان کیا ، بنی تمیم کے ایک شخص نے جو ابو ہالہ زوج حضرت خدیجہؓ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت ابو عبد اللہ تھی ۔ انہوں نے یہ روایت ابو ہالہ سے اور انہوں نے حضرت حسن بن علیؓ سے نقل کی ۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے پوچھا ' وہ حضور اکرم ﷺ کے حالات اکثر بیان کرتے تھے اور مجھے ان کے سننے کا اشتیاق تھا ، تو انہوں نے میرے پوچھنے پر حضور اکرم ﷺ کے حلیہ شریف کا ذکر فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ بلند پایہ بلند مرتبہ تھے ۔ آپ ﷺ کا چہرۂ انور بدر کی طرح چمکتا تھا اور پورا حلیہ شریف (جیسا کہ شروع کتاب میں پہلے باب کی ساتویں حدیث میں مفصل گزر چکا ہے) بیان فرمایا ، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (بعض وجوہ سے) اس حدیث کا امام حسین رضی اللہ عنہ سے ایک عرصہ تک ذکر نہیں کیا ۔ ایک عرصہ کے بعد ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے اس حدیث کو سن چکے تھے اور صرف یہی نہیں کہ ماموں جان سے یہ حدیث سن لی ہو ، بلکہ والد صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے مکان پر تشریف لے جانے اور باہر تشریف لانے اور حضور اکرم ﷺ کا طرز و طریقہ بھی معلوم کر چکے تھے ۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے مکان تشریف لے جانے کے حالات دریافت کئے تو آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ مکان میں تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصوں پر منقسم فرماتے تھے۔ ایک حصہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عبادت میں خرچ فرماتے تھے، یعنی نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔ دوسرا حصہ گھر والوں کے ادائے حقوق میں خرچ فرماتے تھے۔ مثلاً ان سے ہنسنا بولنا بات کرنا، ان کے حالات کی تحقیق کرنا۔ تیسرا حصہ خاص اپنی ضروریات راحت آرام کے لئے رکھتے تھے، پھر اپنے والے حصہ کو بھی دو حصوں پر اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے' اس طرح پر کہ خصوصی حضرات صحابہ کرامؓ اس وقت میں داخل ہوتے، اُن خواص کے ذریعہ سے مضامین عوام تک پہنچتے۔ ان لوگوں سے کسی چیز کو اٹھا کر نہ رکھتے تھے (یعنی دین کے اُمور میں نہ دنیوی منافع میں۔ غرض ہر قسم کا نفع بلا دریغ پہنچاتے تھے) اُمت کے اس حصہ میں آپ ﷺ کا یہ طرز تھا کہ ان آنے والوں میں اہل فضل یعنی اہل علم و عمل کو حاضری کی اجازت میں ترجیح دیتے تھے۔ اُس وقت کو ان کے فضلِ دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے تھے۔ بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے اور بعض حضرات دو دو حاجتیں لے کر حاضرِ خدمت ہوتے اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر حاضر ہوتے۔ حضور اکرم ﷺ ان کی تمام حاجتیں پوری فرمایا کرتے تھے اور ان کو ایسے اُمور میں مشغول فرماتے، جو خود ان کی اور تمام اُمت کی اصلاح کے لئے مفید اور کار آمد ہوں۔ مثلاً ان کا دینی اُمور کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے سوالات کرنا اور ان علوم و معارف کے بعد حضور ﷺ یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ ان مفید اور ضروری اصلاحی اُمور کو غائبین تک بھی پہنچا دیں اور نیز ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ کسی عذر (پردہ یا دوری یا شرم یا رعب) کی وجہ سے مجھ سے اپنی ضرورتوں کا اظہار نہیں کر سکتے، تم لوگ اُن کی ضرورتیں مجھ تک پہنچایا کرو۔ اس لئے کہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچائے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اُس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے۔ تم لوگ اس میں ضرور کوشش کیا کرو۔ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں ضروری اور مفید باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا اور ایسے ہی اُمور کو حضور اقدس ﷺ صحابہؓ سے

خوشی سے سنتے تھے، اس کے علاوہ لایعنی اور فضول باتیں حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں نہ ہوتی تھیں۔ صحابہؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں دینی اُمور کے طالب بن کر حاضر ہوتے تھے اور بلا کچھ چکھے وہاں سے نہیں آتے تھے۔ صحابہ کرامؓ حضور اقدس ﷺ کی مجلس سے ہدایت اور خیر کے لئے مشعل اور راہنما بن کر نکلتے تھے کہ وہ ان علوم کو حسب ارشاد دوسروں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے باہر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ حضور ﷺ ضروری اُمور کے علاوہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے۔ فضول تذکروں میں وقت ضائع نہیں فرماتے تھے۔ آنے والوں کی تالیفِ قلوب فرماتے، ان کو مانوس فرماتے، متوحش نہیں فرماتے تھے۔ ہر قوم کے کریم اور معزز کا اکرام و اعزاز فرماتے اور اس کو خود اپنی طرف سے بھی اسی قوم پر متولی اور سردار مقرر فرما دیتے۔ لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے اور خود اپنی بھی لوگوں کے تکلیف پہنچانے یا نقصان پہنچانے سے حفاظت فرماتے۔ لیکن باوجود احتیاط رکھنے اور احتیاط کی تاکید سے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے۔ اپنے دوستوں کی خبر گیری فرماتے۔ لوگوں کے حالات، آپس کے معاملات تحقیق فرما کر ان کی اصلاح فرماتے۔ اچھی بات کی تحسین فرما کر اس کی تقویت فرماتے اور بُری بات کی برائی بتا کر اس کو زائل فرماتے اور روک دیتے۔ حضور اکرم ﷺ ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے نہ کہ تلوّن اور گڑبڑ کہ کبھی کچھ فرما دیا، کبھی کچھ۔ لوگوں کی اصلاح سے غفلت نہ فرماتے تھے کہ مبادا وہ دین سے غافل ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے دین سے اُکتا جائیں۔ ہر کام کے لئے آپ ﷺ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا۔ امرِ حق میں نہ کبھی کوتاہی فرماتے تھے، نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے خلقت کے بہترین افراد ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا، جس کی خیر خواہی عام ہو یعنی ہر شخص کی بھلائی چاہتا ہو۔ آپ ﷺ کے نزدیک بڑے رتبہ والا وہی ہوتا تھا، جو مخلوق کی غم گساری اور مدد میں زیادہ حصہ لے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی مجلس کے حالات دریافت کئے تو انہوں

نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی اور جب کسی جگہ آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں تشریف رکھتے اور اسی کا لوگوں کو حکم فرماتے کہ جہاں جگہ خالی مل جائے بیٹھ جایا کریں، لوگوں کے سروں کو پھلانگ کر نہ جایا کریں۔ یہ امر جداگانہ ہے کہ جس جگہ حضور ﷺ تشریف رکھتے وہی جگہ پھر صدر مجلس بن جاتی۔ آپ ﷺ حاضرینِ مجلس میں سے ہر ایک کا حق ادا فرماتے یعنی بشاشت اور بات چیت میں جتنا استحقاق ہوتا، اس کو پورا فرماتے کہ آپ ﷺ کے پاس ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ میرا سب سے زیادہ اکرام فرما رہے ہیں، جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کسی امر میں آپ ﷺ کی طرف مراجعت کرتا تو حضور اکرم ﷺ اس کے پاس بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ وہی خود اُٹھنے کی ابتدا کرے، جو آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگتا، آپ ﷺ اس کو مرحمت فرماتے یا (اگر نہ ہوتی) تو نرمی سے جواب فرماتے، آپ ﷺ کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لئے عام تھی۔

آپ ﷺ تمام خلقت کے شفقت میں باپ تھے اور تمام خلقت حقوق میں آپ ﷺ کے نزدیک برابر تھی۔ آپ ﷺ کی مجلس مجلسِ علم وحیاء اور صبر وامانت تھی نہ اس میں شور وشغب ہوتا تھا نہ کسی کی عزت وآبرو اُتاری جاتی تھی۔ اُس مجلس میں اگر کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اس کو شہرت نہیں دی جاتی تھی۔ آپس میں سب برابر شمار کیے جاتے تھے (حسب نسب کی بڑائی نہ سمجھتے تھے البتہ) ایک دوسرے پر فضیلت تقویٰ سے ہوتی تھی، ہر شخص دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتا تھا، بڑوں کی تعظیم کرتے تھے، چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے، اہلِ حاجت کو ترجیح دیتے تھے، اجنبی مسافر آدمی کی خبر گیری کرتے تھے۔

حدیث باب اور محدثین کا وتیرہ :

قال الحسن ...... یہ وہی طویل حدیث ہے، جس امام ترمذیؒ نے بھی عام محدثین کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے ترجمۃ الباب کی مناسبت سے مختلف ابواب میں نقل کیا ہے۔ شمائل کے آغاز میں باب اوّل کی ساتویں حدیث میں اس کا ابتدائی حصہ نقل ہوا ہے

اور وہاں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس باب میں بھی امام ترمذیؒ نے وہی حصہ نقل کیا ہے، جو تواضع سے متعلق ہے۔ مضمونِ حدیث تو ترجمۃ الباب میں واضح کر دیا ہے۔

تحصیلِ علم میں فضل وتفوق کی مساعی محمود ہیں :

اب سوال یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ سے طویل عرصہ تک اس حدیث کو کیوں چھپائے رکھا۔ شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ یہ زمانہ طالب علمی کا تھا۔ غرض علمی تفوق اور علمی برتری تھی۔ و ذلک محمود (اور یہ سراہا جاتا ہے) اور یہ ایک مسلّم قاعدہ ہے کہ من حفظ فهو حجة على من لم يحفظ. (کہ جس نے یاد کیا وہ غالب ہو جاتا اس پر جس نے یاد نہیں کیا) زمانا ! فيه احتمال أن هذا لكتمان كان قصداً كما يحتمل أن يكون اتفاقاً. (اتحافات ص ۳۶۳) (میں نے اس سے ایک زمانہ تک چھپا ئے رکھا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ امام حسنؓ کا چھپانا قصداً اور ارادہ سے ہوا اور یہ بھی محتمل ہے کہ اس سے یہ اتفاقیہ طور پر ہو گیا ہو) مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا کہ حضرت حسینؓ پہلے سے سب کچھ یاد کر چکے تھے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں، ليختبر اجتهاده في تحصيل العلم بحلية جده أو لينتظر سؤاله عنها فإن التعليم بعد الطلب أثبت و أرسخ في اللحن (مواہب ص ۲۳۲) (امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس لئے چھپایا کہ مجھے اس سے یا تو اپنے نانا جان کے شکل وصورت کے معلوم کرنے کے متعلق اس کی کوشش کا امتحان اور جانچنا مقصود تھا اور یا اس لئے کہ (امام حسینؓ) کا آپ ﷺ کے حلیہ کے متعلق خود پوچھ لینے کا انتظار تھا اس لئے کہ کسی دوسرے کو طلب کے بعد بتلانا اور تعلیم دینا اس کے ذہن میں زیادہ راسخ ہو جانے میں کارگر ثابت ہوتی ہے)

ظاہری جمال کے ساتھ عظمت وجلال :

فخما مفخما اى عظيماً في نفسه و معظماً عند الخلق أو كونه عظيماً عند الله معظماً عند الناس ۔ (مواہب ص ۲۳۱) یعنی حضور اقدس ﷺ خود بھی شان و عظمت والے اور دوسروں کی نظر میں بھی صاحب قدر تھے، بڑے مرتبہ والے وجاہت

والے اور پُر وقار تھے۔ اسی طرح لوگوں کی نگاہ میں بھی عظمت وشان اور ہیبت و رعب والے معلوم ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کی عظمت' رعب و دبدبہ دلوں میں گھر کرتا تھا، گوکہ بظاہر جسامت وقدامت معتدل تھی، مگر اللہ کی طرف سے دی ہوئی ایک ہیبت و عظمت تھی، جو آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر ظاہری حسن وجمال کے ساتھ ساتھ بدرجہ کمال جلوہ گر تھی۔

شکله ! والمراد بالشكل هنا اى طريقته فى أصحابه جاء فى كتب اللغة أن الشاكلة والشكل' الطريقة والمذهب وليس المراد هنا الصفة والصورة ۔(اتحافات ص ۳۶۳) اى هيئته و طريقته الشامل لمجلسه فدخل فى السوال عن الشكل السوال عن مجلسه الأتى . (مواہب ص۲۳۲)(اور یہاں شکل سے مراد آپ ﷺ کا طور طریقہ اپنے صحابہ ؓ کے بارے میں)

کتب لغت میں ذکر ہے کہ لفظ شاکلۃ اور شکل سے مراد طریقہ اور مذہب ہے اور یہاں ان سے صفت اور صورت مراد نہیں ہے۔ یعنی آپ ؐ کا طور طریقہ (برتاؤ) جو آپ ﷺ کی محفل ومجلس کو بھی شامل ہے اس لئے کہ شکل سے سوال کرنے میں تو اس کی آئندہ مجلس سے سوال واستفسار بھی داخل ہوا)

تقسیم اوقات کا اہتمام :

جزأ دخوله ثلثه اجزاء ...... یعنی اپنے دخولِ دار کے زمانہ کو تین حصوں میں تقسیم فرمادیتے جزءً لله اى للعبادة والتهجد (اتحافات ص۳۶۳) والتفكر فى مصنوعاته (مواہب ص ۲۳۲) یعنی ایک حصہ نماز' ذکر الٰہی' تسبیح وتہلیل' عبادت وتہجد کے لئے مقرر فرماتے اور اس حصہ میں اپنے اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ و جزءً لاهله یعنی ضروریاتِ اہل خانہ ،حسنِ معاشرت اور اُن کے ساتھ اختلاط کے لئے مخصوص فرماتے ...... اى لموانستهن و عشرتهن و مراعاة حقوقهن فقد كان خير الناس لاهله۔ (اتحافات ص۳۶۳) (اس لئے کہ آپ ؐ سب لوگوں میں سے اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسن معاشرت میں بے نظیر تھے)

اُمت کے لئے ایثارِ وقت کی ایک نادر مثال :

و جزءٌ لنفسه : یعنی ایک حصہ اپنے ذاتی حوائج کے لئے یعنی وضو، غسل، دیگر حوائج ضروریہ، بشری وفطری تقاضوں اور آرام وغیرہ کے لئے مختص فرماتے، پھر وقت کا یہ حصہ جو اپنے لئے مختص فرمایا ہوتا، اسے بھی دو حصوں میں بانٹ دیا کرتے۔ ایک حصہ اپنے لئے اور ایک حصہ اُمت کی فلاح واصلاح کے لئے۔ صرف موجود وحاضرین ہی کی فکر نہ فرماتے، بلکہ قیامت تک آنے والے اپنے امتیوں کے لئے بھی حصہ وافر نکالتے۔ شیخ ابراہیم الباجوریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ ثم قسم جزاه الذی جعله لنفسه بینه و بین جمیع الناس سواء من کان موجوداً و من سیوجد بعلمهم إلی یوم القیامة بواسطة التبلیغ عنه (مواہب ص۲۴۴) (پھر وہ حصہ جو اپنی ذات کے لئے مختص ہوتا اس کو اپنے اور سب لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے چاہے وہ لوگ جو اس وقت موجود تھے یا جو قیامت کے دن تک موجود ہونے والے تھے بصورت آپ ﷺ کی طرف سے ان تک پہنچانے کے) یہ اُمت کے لئے قربانی اور ایثارِ وقت کی ایک نادر مثال ہے۔

خاص وقت بھی خواص کے لئے وقف کردیا تھا :

فیرد ذالک بالخاصة علی العامة' پھر جو وقت لوگوں کے لئے مخصوص ہوتا ، اس دوران میں آپ ﷺ خاص لوگوں کے ذریعہ عوام کو فائدہ پہنچاتے تھے۔ خواص سے مراد اکابر صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ ہیں۔

جیسے صاحب اتحافات لکھتے ہیں کہ و المراد بالخصوص ' الخلفاء الاربعة و کبار الصحابةؓ (اتحافات ص۲۶۳) یعنی خصوصی صحابہ کرامؓ اس وقتِ خاص میں داخل ہوتے ، پھر ان خواص کے ذریعہ سے دینی مضامین' علوم ومعارف اور مسائل واحکام عوام تک پہنچتے۔ ای ان هؤلاء الخواص یبلغون عنه مایسمعون منه (اتحافات ص۲۶۳) (کہ یہ خواص حضرات جو کچھ بھی حضور ﷺ سے سن لیتے تو عوام تک اس کو پہنچادیتے) یہ آپ ﷺ کی عظیم قربانی ہے کہ اپنے آرام کا حصہ بھی علمی افادوں کے لئے وقف فرمادیا تھا۔

نبوی تربیت کے اہداف :

اس وقتِ خاص میں صحابہ کرامؓ علم وحکمت، اسرار ومعارف، اصلاحِ احوال، اور تزکیہ نفس حاصل کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوتے۔ یا تبلیغ کے امور سیکھنے کے لئے آتے ،ان کے لئے خاص وقت مقرر فرما کر انہیں علم وحکمت سے بہرہ ور فرماتے ، اسرار ومعارف سے ان کے سینوں کو منور فرماتے ،تزکیہ باطن سے ان کے قلوب کو تجلیات الٰہی کا مرکز بنا دیتے۔ اصلاحِ احوال فرما کر اخلاقِ حسنہ سے آراستہ فرماتے۔ اُمورِ تبلیغ سکھا کر ان کو توحید و رسالت کا داعی اور مبلغ بناتے۔

نصیحت وہدایت میں سخاوت :

ولا یدخر...... تقسیم علوم ومعارف میں بخل نہ فرماتے اور عوام وخواص سے علوم و معارف نہ چھپاتے عنھم : ای عن العامة او عن الخاصة ثم تصل الی العامة او عنھما او عن الناس ، شیئاً : ای مما یتعلق بھم و فیه نفع لخصوصھم او عمومھم ۔(جمع ج ۲ ص ۱۷۳)(حدیث کے جملہ ولا یدخر عنھم میں ھم ضمیر کے مرجع کے متعلق ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ یا تو اس کا مرجع صرف العامة ہے یا پھر صرف الخاصة یا پھر دونوں ہیں اور یا پھر لفظ الناس ہے یعنی آپ ﷺ چھپائے نہ رکھتے عام لوگوں سے یا خاصہ سے پھر ان کے ذریعے عام لوگوں تک پہنچ جاتی یا پھر دونوں (عامہ اور خاصہ) نہیں چھپاتے تھے یا یہ کہ آپ ﷺ لوگوں سے نہیں چھپاتے کوئی ایسی چیز جو ان سے متعلق ہوتی تھی اور ان میں یا تو خاص لوگوں یا پھر عام لوگوں کا نفع اور فائدہ ہوتا تھا) یعنی اُمت کی نصح وخیر خواہی کی ہر بات ان پر واضح فرماتے، ای لا یخفی عنھم شیئاً من تعلقات النصح والھدایة (مواہب ص ۲۳۲)

خواص کے خدام اور ہمراز کا مقام :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اساتذہ ومشائخ اپنے خواص، خدام اور ہمراز تلامذہ و مستفیدین سے علوم ومعارف، حکم ومصالح اور اسرار نہ چھپائیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مربیین واساتذہ اپنے بعض متوسلین اور تلامذہ میں سے حسب لیاقت وحسب طبعی مناسبت

ان کو خصوصیت و امتیاز کا حق دے سکتے ہیں اور اُن کو اپنی خصوصی توجہ و عنایت اور تربیت کے لئے منتخب کر سکتے ہیں۔ اس میں مساوات ضروری نہیں ہے، وجہ ظاہر ہے کہ طبیعت کا میلان اور رجحان بعض کی طرف ہوتا ہے اور بعض کی طرف نہیں ہوتا۔ دینی مصالح کے پیش نظر لا محالہ ان فطری اُمور کو بھی ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئے۔

اس میں اپنا اپنا طبعی ذوق اور فطری مناسبت ہوتی ہے تو حضور اقدس ﷺ بھی ان حضرات کو ترجیح دیتے، جو صاحبِ علم و فضل اور مشرف بتقویٰ ہوتے، **ایثار اهل الفضل باذنه** کی مراد بھی یہی ہے، **باذنه** کا تعلق ایثار سے ہے کہ اجازت دینے میں اہل فضل کو ترجیح دیتے تھے، جبکہ بعض روایات **اُذنه** (**بضم الاوّل**) آیا ہے، بمعنیٰ سننے میں ارباب فضل و کمال کو ترجیح دیتے تھے۔

فرقِ مراتب :

حقوق عامہ کی ادائیگی میں تو مساوات ہوتی تھی۔ اس میں کسی کو ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔ ارشاد ہے، **المِنی مناخ من سبق**' (جس نے سبقت کی یعنی (پہلے گیا) منیٰ اس کا مناخ ہے (یعنی اونٹوں کی بٹھلانے اور خیمے لگانے کی جگہ ہے) اس نوعیت کے حقوق مشترکہ اور حدود مشترکہ میں عوام و خواص' حکمران و محکوم' اور آقا و غلام سب برابر ہوتے تھے۔

- البتہ ان کے فضل و علم' صلاح و تقویٰ اور رتبہ و درجہ میں مساوات قرینِ قیاس نہیں، بلکہ حماقت ہے۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی معیار ترجیح میں تین اُمور کی تعیین فرمائی تھی۔ (۱) فضل و تقدیم (۲) احتیاج و حاجتمندی (۳) کارکردگی جیسا کہ ابوداؤد کی کتاب المغازی میں منقول ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا،

وقسمه على قدر فضلهم فى الدين : يعنى على قدر مراتبهم فى الدين من جهة الصلاح والتقوى لامِنْ جهة الاحساب والانساب أو المراد على قدر حاجاتهم فى الدين ويلائمه قوله فمنهم ذوالحاجة ...... (مواہب ص ۲۳۲) (پھر اصحابِ علم و فضل میں بھی ان کے صرف دینی مراتب (صلاح و تقویٰ) کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسبِ درجات ان کی ترجیح

وتقدیم فرمایا کرتے نہ کہ بلحاظ حسب ونسب کے یا پھر یہ تقسیم وترجیح ان کی حاجات وضروریات دینیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرماتے اور اسی کے ساتھ ملائم ومناسب ہے اس کا یہ قول کہ فمنهم ذو الحاجة الخ (کہ بعض ان میں ایک حاجت والا ہوتا اور بعض کی دو حاجتیں اور بعض کی کئی حاجتیں ہوتی تھیں)

یہ ترجیح وتفصیل کا معاملہ حسب ونسب کی وجہ سے نہیں صلاح وتقویٰ کی بنیاد پر تھا اور قرآن نے بھی یہی اُصول مقرر فرمایا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ (الحجرات:۱۳) (اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے، جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے)

جماعتِ صحابہؓ کی تربیت کا خاص اہتمام :

بہرحال حضور اقدس ﷺ اس خاص وقت میں اپنے گھر میں استفادہ کرنے کے لئے مذکورہ صفات کے حامل خواص کو عوام پر ترجیح دیتے، جو آپ ﷺ کی صحبت بابرکت اور استفادہ سے زیادہ سے زیادہ فیوض وبرکات حاصل کرتے۔ علوم ومعارف سے خوب حصہ وافر پاتے اور صاحب صلاح وتقوی کے مقام پر فائز ہوجاتے۔ اُن کی اس محنت، طلب، ذوق علم اور شوقِ تبلیغ کو دیکھ کر آپ ﷺ ان سے کچھ بھی پوشیدہ نہ فرماتے اور تمام اسرار و رموز سے آگاہ فرماتے، جو کچھ بھی دریافت فرماتے، آپ ﷺ ان کو جوابات مرحمت فرما کر مطمئن کر دیتے۔ یہ حضرات جب مکمل طور پر اسوۂ حسنہ کا پیکر بن جاتے، تو ان کو تدریس وتعلیم اور دعوت وتبلیغ پر مامور فرما دیتے تا کہ وہ عام لوگ جو آپ ﷺ کی صحبت میں نہیں پہنچ سکے، انہیں وہ علوم ومعارف اور پیغام واحکام پہنچادیں اور جس احسن ومناسب اور اکمل طریقہ سے ان خواص کی تربیت کی گئی ہے، یہ بھی اسی طریقہ ومنہج پر دوسروں کی اصلاح وتربیت کریں۔

مراتب استحقاق میں تفاوت :

فیتشاغل بهم...... کلمہ "فا" تفصیل کے لئے ہے اور یہ مراتب استحقاق میں تفاوت کا بیان ہے۔ حوائج سے مراد وہ مسائل ہیں جو دین سے متعلق ہوں، یعنی بعض

اہل علم وفضل کو ایک حاجت درپیش ہوتی، بعض کو دو، بعض کو زیادہ ملا علی قاریؒ مسائل کے عموم کے قائل ہیں، فرماتے ہیں، والحاجات اعم من الدنیویۃ والاخرویۃ (جمع ج ۲ ص ۱۷۴) اور عام حاجتیں عام ہیں چاہے دنیاوی ہو یا اخروی)

پس حضور اقدس ﷺ ان کے ساتھ حسب حاجت وضرورت اور حسب مراتب مشغول رہتے' ان کی بات سنتے اور پھر سمجھاتے۔ شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں ...... ای بلدی الحاجۃ و من بعلحم فیشغل بھم و یشغلون بہ علی قلو حاجتھم۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۴)

علمی بحث ومذاکرہ کی ترغیب :

ویشغلھم ...... یعنی آپ ﷺ حاضرین ومستفیدین کو بھی ایسے معاملات' علمی تحقیق' بحث ومذاکرہ میں مشغول رکھتے، جو خود ان کے لئے پوری اُمت کے لئے اصلاح وفلاح دینی، دنیوی، اخروی اور ترقی وکمال کا باعث ہوتے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ای یشغلھم بالامر الذی یصلحھم فی دینھم و دنیاھم واخراھم۔ (جمع ج ۲ ص ۱۷۴) والامۃ : یہ عطفِ العام علی الخاص کے قبیل سے ہے، سواء کانت الامۃ امۃ الدعوۃ والاجابۃ او الاعم منھما (جمع ج ۲ ص ۱۷۴) (چاہے امتِ اجابت ہو یا امتِ دعوت اور چاہے ان دونوں سے بھی عام ہو) ای یصلح الامۃ فلا یدعھم یشتغلون بما لا یعنیھم (مواہب ص ۲۴۳) بل یشغلھم بما یصلحھم والامۃ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۴) (امت کی اصلاح فرمایا کرتے یعنی ان کو لایعنی اور فضول باتوں میں مشغول رہنے کے لئے نہیں چھوڑتے بلکہ ان کو ایسے امور میں مشغول رکھتے جن سے ان کی اور ساری امت کی اصلاح ہو جائے)

من مسئلتھم عنہ ' یعنی وہ لوگ آپ ﷺ سے مسائل دریافت کرتے اور آپ ﷺ ان کو ان کے مناسب حال جواب مرحمت فرماتے، یعنی آپ ﷺ ان کو وہ احکام تلقین فرماتے' جن کی اُن کو اس وقت ضرورت ہوتی تھی اور جو ان کے احوال' زمان' مکان ومقام کے مناسب ہوتے تھے اور ان کو ایسے معارف سے بہرہ ور فرماتے جو ان کی سمجھ کے مطابق ہوتے۔ سائلین کے اختلاف احوال کی وجہ سے آپ ﷺ کی وصایا و

ہدایات اور تعلیمات بھی مختلف نقل ہوئی ہیں۔ایک شخص نے عرض کیا حضرت! مجھے وصیت فرماویں۔آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا، استحی من اللہ کما تستحی من رجل صالح من قومک ’جس طرح اپنی قوم کے ایک صالح مرد سے حیا کرتے ہو، اللہ سے بھی اسی طرح حیا کرو۔دوسرے نے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا" لا تغضب " یعنی غصہ نہ کیا کرو اس طرح کے متعدد نظائر کتب حدیث میں منقول ہیں۔

(ملخصاً از مواہب ص ۲۴۳)

غائبین کی فکر :

ویقول لیبلغ الشاہد ...... ارشاد فرمایا، جو لوگ یہاں تحصیل علم کے لئے اور حاجات بیان کرنے کے لئے حاضر نہیں ہوسکے، حاضرین یہ علوم و معارف دوسروں تک پہنچادیں تاکہ وہ بھی محروم نہ رہیں ۔ فالشاھد الصحابی الاکبر و الغائب الاصغر او الشاھد الصحابی والغائب التابعی أو الشاھد العالم والغائب الجاھل او الشاھد الحضری والغائب البدوی او الشاھد السامع والغائب من لم یسمع وھذا افید و انفع ثم ھذا بیان لجعلھم مشغولین بما یصلح الأمة فإنه لما اجابھم بما ینبغی لھم شغلھم بما یصلحھم ولما اوصی بالتبلیغ شغلھم بما یصلح الامة (مناوی ج ۲ ص ۱۷۵)(علامہ مناویؒ حدیث میں مذکور جملہ ویقول لیبلغ الشاھد منکم الغائب(کہ تم میں سے شاہد غائب کو پہنچادے) میں لفظِ شاہد اور غائب کی ممکنہ توجیہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاہد سے مراد بڑا صحابی اور غائب سے مراد چھوٹا صحابی یا شاہد سے مراد صحابی اور غائب سے مراد تابعی۔یا پھر شاہد سے مراد عالم اور غائب سے مراد جاہل۔یا شاہد سے مراد شہری اور غائب سے مراد دیہاتی اور جنگلی۔یا شاہد سے مراد سننے والا اور غائب سے مراد جس نے نہیں سنا۔اور یہ تعمیم زیادہ نافع اور مفید ہے۔پھر یہ سب کچھ بیان ہے ان کو ایسے کاموں میں مشغول رکھنے کا جس سے پوری امت کی اصلاح ہو۔کیونکہ جب آپ ﷺ نے ان کو ایسے امور بتلائے جو ان کے لئے مناسب اور ضروری ہیں تو ان کو ایسے کاموں میں مشغول کردیا جن سے ان کی اصلاح ہوجائے گی اور جب ان کو دوسروں تک پہنچانے کی وصیت اور تاکید بھی کردی تو ان کو گویا ایسے کاموں میں مشغول فرمادیا جس سے پوری امت کی

اصلاح ہوجائے گی)

خدمت علم وخلق کا اجر وثواب :

' و ابلغونی ...... بوجہ بیماری یا بسبب دوسری مسافت یا کسی اور عذر یا کسی وجہ سے جو مستحقین' کمزور' غرباء' بیوائیں' ضعفاء' خواتین' یتامیٰ اور حاجتمند مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اور جائز ضروریات پیش کرنے کے لئے حکام وقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے، تو مجھ سے قریب اور خاص تربیت حاصل کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے دینی اور دنیوی حاجات مجھ تک پہنچائیں۔ مجھے ان کی تکالیف سے خبردار کریں تاکہ میں انہیں حل کروں اور ان کی تکالیف دور کرسکوں اور تمہیں اس پر اللہ پاک اجر دے گا کہ قیامت کے روز تم ثابت قدم رہو گے۔ ثبت اللہ قدمیه علی الصراط یوم القیامة یوم تزل الأقدام دینیة کانت الحاجة او دنیویة ۔(مواہب ص ۲۳۳) (اللہ تعالیٰ تمہارے قدموں کو قیامت کے دن پل صراط پر ثابت قدمی عنایت فرمادیں گے جس دن قدم پھسلیں اور ڈگمگائیں گے۔ وہ حاجت اور ضرورت چاہے دینی ہو یا دنیوی)

دربارِ نبوت' علم وخدمت کا مرکز :

ولا یذکر عنده الا ذلک یعنی بارگاہِ نبوت میں انہی اور ایسی ہی باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خدام علوم ومعارف اور خدمت خلق میں مصروف رہتے تھے۔ ولا یقبل من احد غیرہ تہذیب اخلاق' تزکیۂ نفس' علم ومعرفت الٰہی کی گفتگو کے سوا اور کوئی فضول اور بے فائدہ باتیں قطعاً نہیں ہوتی تھیں یا تو صاحبانِ حوائج اپنی یا دوسروں کی ضروریات عرض کرتے' ای ولا یقبل من احد غیر المحتاج الیه فهو توکید للکلام الذی قبله .(مواہب ص ۲۳۳)

یدخلون روّاداً : بتشدید الواو: جمع رائد' وهو فی الأصل من: یتقدم القوم ، والروّاد هنا أکابر الصحبة " (اتحافات ص ۲۶۴) (روّاد کا لفظ واؤ کی تشدید کے ساتھ رائد کی جمع ہے اور رائد کا اصلی اور لغوی معنیٰ قوم کا بڑا ، سردار اور قائد۔ یہاں رواد سے مراد

اکابر صحابہؓ ہیں۔ یہاں روّاد سے مراد اکابر صحابہؓ ہیں) رائد اس رہنما کو کہتے ہیں جو قوم سے آگے آگے جائے' لینظر لھم الکلاء و مساقط الغیث (جمع ج ۲ ص ۱۷۵) (تا کہ ان کے لئے گھاس چارہ اور پانی وغیرہ کی دیکھ بھال کا اہتمام کرے) یہاں خواص صحابہ کرامؓ کے لئے مستعار لیا گیا جو جمیع اُمت کے لئے بمنزلہ روّاد کے تھے۔

اکرام ضیف کا اہتمام :

ولا یفترقون ...... یعنی وہ اس وقت تک آپ ﷺ کی بارگاہِ علم وعطا سے جدا نہیں ہوتے تھے، جب تک تحصیلِ علم وحاجت کی تکمیل نہ ہو جاتی، ذواق میں چکھنا ہے، جو علمی و دینی بھی ہوسکتا ہے اور دنیوی وحسی بھی ہوسکتا ہے، یعنی افادۂ علمی بھی اور دعوتِ حسی بھی؛ جو بھی ہو اخلاقِ کریمانہ کا مظہر اتم ہے۔

ذواق : ای فعال بمعنیٰ مفعول ای ذوق طعام حسی غالباً و روحانی من العلوم و المعارف دائما فهو لارواحهم بمنزلة الادام لاجسادهم فعلى الاوّل التنكير للتقليل لما عرف مما كانوا عليه من قلة العيش و على الثاني للتعظيم و عن بمعنىٰ بعد نظيره لتركبن طبقـا عن طبق (مناوی ج ۲ ص ۱۷۵) (علامہ مناویؒ ذواق کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذواق بروزن فعال کے بمعنی مفعول کے ہے یعنی ظاہری اور حسی کھانے کا چکھنا غالباً یا پھر روحانی غذا یعنی علوم ومعارف دائمی کی تقسیم کرنا۔ پس یہ علوم وغیرہ ان کے ارواح کے لئے ایسے ہوئے جیسے کہ ان کے اجساد کے لئے سالن۔ پس پہلی صورت (طعام حسی) پر ذواق کی تنکیر تقلیل کے لئے ہوئی جیسے کہ صحابہؓ کی تنگی عیش مشہور ومعروف ہے اور دوسری صورت (روحانی طعام) تو پھر ذواق کی تنکیر تعظیم کے لئے ہوگی۔ اور لفظ عن بمعنی بعد کے ہوگا جیسے کہ (قرآن مجید کی آیت) لتركبنّ طبقاً عن طبق میں بھی عن بمعنی بعد کے ہے)

درسگاہِ نبوی کے فضلاء :

ويخرجون من عنده أدلة : جمع دليل ای علماء يدلون الناس على ما

علموا من الخیر (لفظ ادلة دلیل کی جمع ہے یعنی وہ حضور ﷺ کے پاس سے ایسے علماء بن کر نکلتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے علم سیکھا ہے لوگوں کو اس کی رہنمائی کرتے ہیں) الخیر سے مراد علم، عمل ارادۂ خیر اور زہد وتقویٰ ہے۔ یعنی حضرات صحابہ کرامؓ جب آپ ﷺ کی توجہات عالیہ کی برکات سے بہرہ ور ہو کر باہر آتے تو لوگوں کے لئے شمع ہدایت ہوتے ۔علم وعمل سے آراستہ ہوتے ۔ سنت نبویہ کا نمونہ ہوتے ۔ لوگ ان بابرکت ہستیوں سے تہذیب نفس، تزکیۂ باطن، اخلاقِ حسنہ اور علم ومعرفت الٰہی حاصل کرتے ۔ حضور اقدس ﷺ کو بھی ان کی سچی طلب اور اپنی تربیت پر اعتماد تھا۔ اس لئے ارشاد فرمایا اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم (جمع ج۲ ص۱۷۶) (میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی تم اقتداء وتابعداری کرو گے ہدایت پر ہو جاؤ گے۔

بعض روایات میں أذلة نقل ہوا ہے..... والمعنی علیه یخرجون من عنده حال کو نهم متذللین متواضعین (مواہب ص۲۳۲) (اور اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ حضور ﷺ کے پاس سے متواضع اور عاجز ہو کر نکلتے ہیں (ان میں غرور وتکبر بالکل نہیں ہوتا))

زبان مبارک کی حفاظت کا اہتمام :

قال فسألته عن مخرجه ...... حضرت حسینؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کے بیرونِ گھر کے مشاغل کیا ہوتے تھے، کیف کان یصنع فیه، یعنی بیرون دار آپ ﷺ کی سیرت، طرزِ زندگی اور اعمال رویہ کیسے ہوا کرتا تھا۔

یخزن لسانه الا فیما یعنیه : یخزن ، نصر کے باب سے ہے، بمعنیٰ جمع کرنے کے، محفوظ کرنے کے ای یحبسه و یضبطه (مواہب ص۲۳۲) فیما یعنیه یعنی اہم، مقصد کی بات اور ضروری بات کرتے تھے۔ خاموش رہتے لایعنی اور فضول باتوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے، بغیر نفع مخلوق اور انسانیت کے فائدے کی بات کے دوسری گفتگو نہ فرماتے، جیسا کہ آپ ﷺ کی تعلیم بھی یہی ہے من کان یومن باللّٰه والیوم

الآخر فلیقل خیرا أو لیصمت (مواہب ص ۲۴۲) (جو شخص اللہ اور یوم آخرت کا یقین رکھتا ہو تو چاہیے کہ بھلائی اور خیر کی بات کہے یا پھر خاموش رہے)

دعوتِ محبت و تالیف قلوب :

ویؤلفهم ولا ینفرهم یعنی حضور اقدس ﷺ ان کی تالیف قلوب فرماتے اور انہیں اپنے سے مانوس فرماتے۔ ایسی روش، ایسے اخلاق، ایسے شفقت اور اس طرح کمال محبت اختیار فرماتے کہ لوگوں میں آپ ﷺ سے نفرت کے جذبات پیدا ہی نہ ہو سکیں اور ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے کہ لوگ آپ ﷺ سے متوحش اور متنفر ہو جاتے۔

یہ آپ ﷺ کا کمال حلم اور کمالِ تواضع تھا اور قرآن کی اسی آیت کا مصداقِ اتم تھے وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران:۱۵۹) (اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے) اور حدیث میں آیا ہے بشّروا ولا تنفروا یسروا ولا تعسروا (جمع ج ۲ ص ۱۷۶) ((امراء کو حکم ہے) کہ لوگوں کو خوشخبری سناؤ اور ان کو نفرت نہ دلاؤ ان پر آسانی اور نرمی کیا کرو اور ان کے لئے امور و احکام کو مشکل نہ بناؤ)

شرفاءِ قوم کا اکرام :

ویکرم کریم کل قوم یولیه علیهم ہر قوم کے شرفاء اور رؤساء کی تکریم و تعظیم فرماتے جو اس کے شایانِ شان جو اکرام مناسب ہوتا کر گذرتے، پھر اُمت کو بھی یہی تعلیم اور یہی ہدایات فرمائیں کہ اذا اتاکم کریم قوم فاکرموه و هو افضلهم دینا و نسباً وحسباً (له طرق کثیرة کاد ان یکون متواترا) (جمع ج ۲ ص ۱۷۶) (جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز اور شریف شخص تشریف لائے تو تم ان کی عزت و تکریم کیا کرو۔ کیونکہ وہ ان میں سے دین اور حسب و نسب کے لحاظ سے افضل ہوتا ہے (اس حدیث کے مختلف اسناد ہے جو تواتر کے قریب ہے))

و یولیه علیهم ای یجعله والیاً ای حاکماً علیهم وهذا من تمام حسن نظره

و عظیم تدبیرہ اذا لقوم اطوع لکبیرھم واخوف منہ مع ما فیہ من الکرم الموجب للرفق بھم ولاعتدال امرہ معھم ۔(مناوی ج ۴ ص ۱۷۷)(اور آپ ﷺ اس معزز شخص کو اپنی طرف سے ان پر حاکم اور متولی بنا دیتے تھے ۔اور یہ بات آپ ﷺ کے حسن تدبیر اور گہری نظر اور سوچ کا نتیجہ ہی ہوتا تھا اس لئے کہ قوم اپنے بڑے اور سردار کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اس سے خوف میں بھی رہتی ہے باوجویکہ اس میں بخشش وفیاضی کی صفت بھی ہے جو کہ نرم دلی اور اعتدال فی الامور کا سبب ہوگا)

یحذر الناس کا معنیٰ :

ویحذر الناس علامہ مناویؒ نے اس کے متعدد معانی کئے ہیں،(۱) لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے' اور اس کی اطاعت پر ابھارتے ای یخوفھم من عذاب اللہ و الیم عقابہ و یحثھم علی طاعتہ (مناوی ج ۴ ص ۱۷۷)(۲) ویحذر الناس الفتن (جمع ج ۲ ص ۱۷۷) لوگوں کو فتنہ' فساد' افتراق وانتشار سے بچنے کی تاکید فرماتے (۳) یا معنیٰ یہ ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے شر سے بچنے اور کام وکاروبار میں لوگوں سے حزم واحتیاط کی تاکید فرماتے تھے' ای یحذر بعض الناس من بعض یامرھم بالحزم. (مناوی ج ۴ ص ۱۷۷)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہہ :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

اس لفظ کے مختلف ترجمے کئے گئے ہیں ۔بندہ کے نزدیک اقرب یہی ہے دوسرے جملہ کے مناسب بھی ہے ۔حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ خود بھی اپنی حفاظت اور احتیاط فرماتے اور دوسروں کو بھی لوگوں سے احتیاط کی تعلیم دیتے تھے، جس کی توضیح یہ ہے کہ بلاوجہ کسی شخص پر بدگمانی کرنا ناجائز ہے، لیکن بغیر بدگمانی کے اپنی حفاظت کرنا اور احتیاط رکھنا بہتر ہے ۔احادیث میں مختلف عنوانات سے حزم اور احتیاط کی تعلیم بکثرت وارد ہے ۔ابوداؤد شریف میں ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ تقسیم کے لئے کچھ مال بھیجنے کا ارادہ کیا اور ایک صحابی ابن الفغواءؓ کو مال لے جانے کے لئے تجویز

فرما کر کہدیا کہ کوئی ساتھی اپنے ساتھ لے جانے کے لئے تلاش کرلیں، وہ تلاش میں تھے کہ عمرو نامی ایک شخص ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم مکہ جانے کے لئے کسی ساتھی کو تلاش کررہے ہو، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔

ابن الفغواءؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ساتھی مل گیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کون ہے، انہوں نے پتہ بتادیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اس کی قوم کی آبادیوں کے قریب پہنچو تو اس سے محتاط رہنا، اس لئے کہ ایک ضرب المثل ہے کہ اپنے بکری بھائی سے (جو ایک قبیلہ کا نام ہے) محتاط رہنا۔ ابن الفغواءؓ کہتے ہیں کہ ہم دونوں چل دیے، جب میرے ساتھی کی قومی آبادیاں آئیں، تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میں ان لوگوں سے مل آؤں، تم میرا انتظار کرنا، میں نے کہا کیا مضائقہ ہے۔ اس کے جانے کے بعد مجھے حضور ﷺ کا ارشاد یاد آیا، میں جلدی سے اپنا اونٹ تیار کرکے چل دیا۔ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ آرہا ہے مگر میں احتیاط کی وجہ سے جلدی چلا گیا۔ اس میں کئی نوع سے احتیاط کا مضمون وارد ہے، اس کے علاوہ متعدد روایات میں حضور اکرم ﷺ سے لوگوں کو احتیاط کی تعلیم منقول ہے، اسی لئے یہی معنی بہتر ہیں۔ (خصائل:۲۹۲)

طبعی رجحان یکسوئی کا تھا:

ویحترس منھم ...... یعنی آپ ﷺ خود کو لوگوں سے یکسو رکھتے تھے، مگر باوجود اس یکسوئی کے ہر ایک کے ساتھ خندہ روئی اور خوش خلقی میں کمی نہیں آنے دیتے تھے۔

لوگوں سے بے تکلفی میں حزم واحتیاط:

ای یحفظ نفسہ من اذاھم او من نفورھم (جمع ج۲ص۱۷۷)(یعنی اپنے نفس کو ان کی تکالیف اور نفرتوں سے محفوظ رکھا کرتے)۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے کثرتِ مخالطت ومخاطبت، تعلیم وتربیت وتوجہ وعنایات کے باوجود بھی انتہائی بے تکلف نہیں ہوپاتے تھے۔ بلکہ اپنے تحفظ کو برقرار

رکھتے ہوئے محتاط رہا کرتے ای یتحفظ من کثرة مخاطبهم المودية الى سقوط هيبته و جلالته من قلوبهم لكن لايفرط فى ذلك بل يتحرس ۔(مناوی ج ۲ص ۱۷۷)

بارگاہِ نبوت میں مخالفین بھی حاضر ہوتے اور منافقین بھی' مگر آپ ﷺ بڑے باوقار اور عزت و تمکین سے پیش آتے ۔ اُن کی شرارتوں' اور سازشوں کے باوجود آپ ﷺ اپنی عالی ظرفی اور بلند اخلاق کا اظہار فرماتے' کبھی بھی بدخوئی اور گلہ شکوہ نہ فرماتے۔

یطوی بمعنیٰ یمنع ہے، بشرۃ سے مراد چہرے کی طلاقت وبشاشت مراد ہے۔

یتحترس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ شاید اخلاق لحاظ سے یہ کسی کمزوری کا اظہار ہو ولـذا اكـده بقوله و لاخلقه (جمع ج ۲ص ۱۷۷) (اس لئے اس کی تاکید و لاخلقه سے کردی (یعنی یہ مطلب کہ باوجود محتاط رہنے کے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے)

احباب کی خبر گیری کا اہتمام :

ويتفقد اصحابه یعنی اپنے احباب کی خبر گیری فرماتے یعنی وہ احباب جو حاضر باش ہوتے' ہمیشہ تحصیل علم' وطلب حاجت کے لئے آتے یا مسجد میں نماز پڑھنے آتے یا قریبی احباب واہل محلہ ہوتے' تو ان کی غیوبت کی صورت میں ان کا حال احوال دریافت فرماتے' پھر اگر کوئی بیمار ہوتا تو عیادت فرماتے' مسافر ہوتا تو اس کے لئے دعا فرماتے یا انتقال کر چکا ہوتا تو دعائے مغفرت کا اہتمام فرماتے'

علامہ بجوریؒ لکھتے ہیں فـان كـان احد منهم مريضاً عاده او مسافرا دعاله او ميتاً استغفر له ۔ (مواہب ص ۲۲۳)

عام لوگوں کی خبر گیری :

ويسـال الناس ...... یعنی حضور اقدس ﷺ لوگوں کے آپس کے معاملات' ان کے حالات و اخبار کی تحقیق فرماتے، اگر رنجشیں ہوتیں' مشکلات وحاجات ہوتے' تو ان کی اصلاح فرماتے' اچھی باتوں' عمدہ حالات اور اخلاق حسنہ کی تحسین اور تقویت فرماتے اور انہیں برقرار رکھتے اور اگر کوئی برا واقعہ' معاملہ یا قصہ ہوتا تو اسے برائی اور مضرت سے آگاہ

فرما کر اسے زائل کر دیتے اور اس سے صحابہ کرامؓ کو روک دیتے تھے۔اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد اور غرض ان کے عیوب وذنوب کی تفتیش وتجسس ہرگز مطلوب نہیں ہوتا تھا)

شیخ ابراہیم الپیجوریؒ فرماتے ہیں ' ای بسأل خاصة اصحابه عما وقع فی الناس لیدفع ظلم الظالم و ینصر للمظلوم ویقوی جانب الضعیف و لیس المراد انه یتجسس عن عیوبهم و یفحص عن ذنوبهم۔(مواہب ص۲۳۲)

علماء اس سے یہ استنباط بھی کرتے ہیں کہ اکابرین اُمت' حکمران' علماء' صلحاء' اور قائدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس طریقہ پر لوگوں کی اصلاح کریں۔ ان کے حالات و اخبار معلوم کریں، نیکی کو پھیلائیں اور بدی کو بروقت زائل کریں۔علامہ مناویؒ یہ لکھتے ہیں کہ وهذا ارشاد للحکام الی ان یکشفوا و یفحصوا بل و لغیرهم ممن کثر اتباعه کالفقهاء والصلحاء والاکابر فلایغفلون عن ذلک لئلا یترتب علیه ماهو معروف من الضرر الذی قد لایمکن تدارک رفعه ۔(مناوی ج۲ص ۱۷۷)

اعتدال ومیانہ روی :

معتدل الامر غیر مختلف تمام معاملات میں آپ اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے آپ کا کوئی کام بھی اختلاف والا نہیں ہوتا تھا۔ اعمال کی طرح اقوال میں بھی اعتدال ہوتا تھا، تلون مزاجی سے نفرت تھی، صلح کی بات ہو یا جنگ کی' معاملات ہوں یا عبادات' ادائیگی حقوق کا مسئلہ ہو یا طلب حق' میانہ روی اور اعتدال ملحوظ ہوتا تھا۔

غیر مختلف معتدل الامر کی تاکید ہے یا مستقل جملہ ہے ایسا نہ ہوتا کہ ایک کام لیا اور پھر اس کے پیچھے مستقل پڑ جاتے تھے، بلکہ تمام معاملات میں جمیع جوانب کا لحاظ کرتے تھے ۔ و حاصل المعنیٰ ان سائر افعاله و اقواله علی سمت الاستواء والاعتدال (مناوی ج۲ص ۱۷۸)(اس کا حاصل یہی ہوا کہ آپ ﷺ کے جمیع اقوال وافعال ٹھیک اور معتدل طریقہ پر ہوا کرتے تھے)

ولایغفل ...... حضور اقدس ﷺ تبلیغ وارشاد' تعلیم وتربیت' تنظیم وجماعت اور اُمورِ دعوت میں مصروف رہتے' تاکہ حضرات صحابہ کرامؓ دنیاوی اُمور میں الجھ کر عبادت الٰہی

اور اصلاحِ احوال سے سستی اور کاہلی برتنا نہ شروع کردیں۔ آپ ﷺ اس کیفیت اور اس حال سے کسی بھی وقت بے پروائی نہیں برتتے تھے۔ والمعنیٰ لایغفل عن مصالحهم من تذکیرهم و ارشادهم و نصحهم و تعلیمهم و امدادهم۔ (مناوی ج۲ ص۱۷۸) مخافة ان یغفلوا ای عنها بناءً علی مراعاة المتابعة۔ (جمع ج۲ ص۱۷۸) غرض یہ ہے کہ آپ ﷺ کی متابعت و تابعداری میں غافل نہ ہو جائیں۔ اصول بھی یہی ہے کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر چلتے ہیں' الناس علی دین ملوکهم۔ مریدین اپنے شیوخ کے طریقوں کو اپناتے ہیں اور تلامذہ اپنے اساتذہ کی پیروی کرتے ہیں، اسی طرح اُمت کو بھی اپنے نبی کی غلامی کرنی چاہئے۔

(۲) او خشیة ان یغفلوا عن الاستفاده فیقعوا فی علم الاستقامة' یعنی اس بات کا بھی اندیشہ رہتا تھا کہ استفادہ سے غفلت ہوئی تو یہ عدم استقامت پر منتج ہوگی ...... او یمیلوا الی الدعة والرفاهية أو يميلوا الى الملل او يميلوا عنه و ينفروا' مخافة! مفعول من اجله ای من اجل خوف غفلتهم۔ (مناوی ج۲ ص۱۷۸) (یا ان کا میلان عیش پرستی کی طرف ہو جائے گا اور یا ان کا میلان و رجحان مختلف ادیان و مذاہب کی طرف ہو جائے گا اور یا وہ آپ ﷺ سے یا اس کے دین سے روگردانی اور نفرت کرلیں گے۔ لفظ مخافة ترکیب میں مفعول لہ ہے (یعنی آپ ﷺ ان کی نصیحت سے اس لئے غافل نہ ہوا کرتے تاکہ وہ لوگ کہیں غفلت میں مبتلا نہ ہو جاویں)

ہر چیلنج کے مقابلہ کے لئے پہلے سے تیاری کر لیتے تھے :

لکل حال عنده عتاد ، ہر کام ہر حالت اور ہر قسم کے چیلنج، صلح، جنگ، عسرت، یُسرت، خوف و امن اور ہر قسم کے انقلابات کے لئے آپ ﷺ کے پاس خاص انتظام تھا عتاد کا معنیٰ سامان، اسباب، انتظام اور تیار رہنا ہے' ای کان یعد لکل امر ماینا سبه۔ (اتحافات ص۳۶۴)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، بفتح اوله و هو العدة والتأهب مما یصلح لکل ما یقع و الاظهر انه علیه السلام اعد لکل امر من الامور حکما من الاحکام و دلیلاً من

ادلة الاسلام او المعنى انه عليه الصلوٰة والسلام كان مسعد الجميع العبادات من الجهاد وغیرہ (جمع ج ۲ ص ۱۷۸) اور ایک معنیٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ..... ما اعده الرجل من السلاح والدواب و آلة الحرب خلاصہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ جہاد ہو یا دیگر اُمور دینی ہر وقت او رہر معاملہ کے مناسب حال پہلے سے تیار رہتے۔ اسلحہ جانور اور دیگر ضروریاتِ جنگ تیار رکھتے، صاحب لغات الحدیث (ج ۲ ص ۱۵) میں رقمطراز ہیں کہ ہر واقعہ کی تدبیر پیش از وقوع کر لیتے جو کمال دانشمندی اور انجام بینی کی دلیل ہے

حق کی ادائیگی اور وصول کا معمول :

كان لا يقصر عن الحق ' یعنی حق کے بیان ادائیگی اور اس کے حصول میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ ای ببیانه واستیفائه۔ (اتحافات ص ۳۶۴) ولا یجاوزہ یعنی حق اور شرعی حد سے تجاوز نہ فرماتے تھے ولا یتجاوزہ فلا یاخذ اکثر منه (مواہب ص ۲۲۵) ہر معاملہ میں افراط اور تفریط سے گریز فرماتے تھے۔ فیصلوں میں انصاف اور حق کی پاسداری آپ ﷺ کا معمول تھا۔

آپ ﷺ کے خواص' بہترین جماعت تھے :

الذين يلونه من الناس خيارهم ' جو لوگ آپ ﷺ کے قریب تھے، وہ لوگوں میں بہترین تھے۔ اقوال' افعال' تقویٰ' دیانت اور معاملات کی صفائی' عزت و وجاہت اور مرتبہ و مقام میں گویا وہ لوگ عوام میں سے منتخب اور برگزیدہ لوگ تھے۔ اُمہات المؤمنین' بنات مطہرات' اہل بیت' خلفاء راشدین' عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہؓ اس کا مصداق ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ اکتساب علم' تحصیل فوائد میں بھی طلب صادق اور پھر افادۂ علم میں بھی مخلص تھے۔ بوجہ خیار الناس ہونے کے لوگوں میں درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے کام کے لئے بھی موزون تھے۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا' لیلینی منکم اولو الأحلام والنهى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم " (مواہب ص ۲۲۵) مگر یاد رہے کہ ان کی یہ بہتری' افضلیت اور مقام و رتبہ بھی حضور اقدس ﷺ کی صحبت بابرکت کا ثمرہ تھا۔ آپ

ﷺ کی توجہات' عنایات اور آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں مسلسل حاضر رہنے کی وجہ سے وہ لوگوں میں بہترین افراد ہونے کا اعزاز پاتے تھے' جو بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا، اِنسانیتِ کامل کی معراج کو پالیتا تھا۔

اخذِ مسائل :

شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں' فینبغی للعالم فی درسه ان یجعل الذین یقربون منه خیار طلبته لانهم هم الذین یوثق بهم علماً و فهما (مواہب ص ۲۳۵)(تو استاذ اور مدرس کو چاہئے کہ اپنے قریب ان طلبہ کو بٹھلائے جو علم واکتساب وذہانت میں لائق ترین ہوں کیونکہ یہ وہ اشخاص ہیں جن کے علم وفہم پر اعتماد کیا جا سکتا ہے)

بارگاہِ نبوت میں فضل وتقدم جنہیں حاصل تھا :

افضلهم عنده ...... یعنی بارگاہِ نبوت میں فضل وتقدم اور زیادہ قبولیت وافضلیت انہیں حاصل ہوتی، جو عامۃ المسلمین کے دین ودنیا کی خیر خواہی میں لگے رہتے تھے اور یہی ان کا مشن ہوا کرتا تھا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "الدین النصیحة" (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۳، مواہب ص ۲۳۵) یعنی دین تو خیر خواہی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ خیر الناس من ینفع الناس بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہو۔

بارگاہِ نبوت کے معظم ترین لوگ :

واعظمهم عنده ...... مواساۃ وسی یسیٔ و سیا سے ہے' بمعنی مدد کرنا' تسلی دینا ہمدردی کرنا تاج بیہقی میں ہے، المواساۃ یعنی کسے را در چیز ہم چو خویش دانستن' (یعنی کسی کو کسی چیز میں خود اپنے جیسا جاننا) موازرۃ: وزر یزرُ وزراً سے ہے بمعنی ہاتھ بٹانا' تقویت دینا اور اعانت کرنا تاج بیہقی میں ہے، موازرۃ بمعنی مددگاری کردن۔ یعنی حضور اقدس ﷺ ان لوگوں کی بڑی قدر' احترام اور تعظیم فرماتے تھے، جو اپنے فقر واحتیاج کے باوصف دیگر محتاجین ومستحقین کی مدد کو ترجیح دیتے تھے، وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹)(اور خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت

حاجت ہو) اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مہماتِ اُمور میں' نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرتے تھے۔ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى (المائدۃ:۲) (نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو) اور حدیث میں ہے فاللّٰہ فی عون العبد ماداام العبد فی عون أخیہ المسلم (مسلم) (اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جتنے تک بندہ کسی مسلمان کی مدد کرنے میں لگا رہتا ہے) ایک دوسری حدیث میں ہے، ومن کان فی حاجۃ اخیہ کان اللّٰہ فی حاجتہ و من فرج عن مسلم کربۃ فرج اللّٰہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیامۃ۔ (مشکوٰۃ،ص۴۲۲) (جو کوئی مسلمان بھائی کی خدمت میں مصروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور حاجات پوری کرتا رہتا ہے اور جس نے کسی مسلمان کی پریشانی کو دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانیاں دور فرمادے گا) یہ وہ لوگ تھے، جو خدمت اور غمگساریٔ خلق میں حصہ لیتے تھے' تو آپ ﷺ کی نظروں میں بزرگ ترین ہونے کا مقام پاتے تھے۔

آپ ﷺ کی بارگاہ میں وہی شخص مکرم' محترم اور بزرگ تر ہے، جس کے دل میں مخلوق خدا کی ہمدردی کے جذبات ہوں، جو غمگین لوگوں کے کام آئے دکھیاروں کی دوا ہو' صاحبانِ حوائج کی حاجت براری کرے، مصیبت زدوں کے بوجھ اُٹھا کر ان کی مصیبتوں کو دور کرے اور ہر ایک اِنسان کو اس کی ضرورت کے وقت کام آئے۔

حضور اقدس ﷺ کی مجالس ذکر اللہ سے معمور ہوا کرتی تھی :

قال فسئلت عن مجلسہ ...... حسین بن علیؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے والد سے آپ ﷺ کی مجلس سے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا، فقال ...... اٹھتے بیٹھتے اور مجالس کے آغاز و اختتام پر ذکر الٰہی ہوتا، جو کنایہ ہے ہمہ وقتی ذکر سے' جن مجالس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، قیامت کے روز ان پر حسرت و افسوس ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے' ما من قوم یقومون من مجلس لایذکرون اللّٰہ فیہ الا قاموا عن مثل جیفۃ حمار و کان علیھم حسرۃ (رواہ احمد و ابوداؤد) نہیں اُٹھی کوئی قوم کسی مجلس سے کہ اس میں ذکر اللہ نہ کیا ہو، مگر اٹھے مردار گدھے کی طرح اور ان پر

حسرت وافسوس ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں : "ما عمل العبد عمله انجی له من عذاب الله من ذکر الله" (رواه مالک والترمذی وابن ماجة) یعنی بندے کا کوئی عمل ایسا نہیں جو اسے عذاب الٰہی سے سب سے زیادہ نجات کا باعث ہو بغیر ذکر اللہ کے۔

شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں، وهذه الآية اصل فی ذلک اعنی الذکر عند القعود و القیام اور یہ آیت اسی مسئلہ میں یعنی بیٹھے اور کھڑے ذکر الٰہی کرنے میں اساسی حکم رکھتی ہے۔

مزید فرماتے ہیں و فیه ندب الذکر عند القعود والقیام و هو من اعظم العبادات لقوله تعالٰی ولذکر الله اکبر الذین یذکرون الله قیاما و قعودا و علی جنوبهم (مناوی ج۲ ص ۱۷۹) یعنی اس میں ثابت ہورہا ہے کہ بیٹھے اور کھڑے ذکر الٰہی کرنا فضائل کی طرف سبقت کرنا ہے اور یہ بزرگ ترین عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ذکر اللہ بہت بڑی عبادت ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ وہ لوگ (جو صاحبانِ عقل وفراست ہیں) کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں کے بل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کی مجالس کی ابتداء بھی اور انتہاء بھی ذکر اللہ پر ہوا کرتی تھی۔ ای ان الذکر هو مبدأ جلوسه و منتهاه۔ (اتحافات ص ۳۶۵)

آدابِ مجلس :

و اذا انتهی .... مفہوم حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے، یعنی حضور اقدس ﷺ کو بالانشینی پسند نہ تھی۔ و یامر بذالک اور اسی طرح بے تکلف مجلس میں بیٹھنے کا اپنے صحابہؓ کو بھی ارشاد فرماتے، یہ آپ ﷺ کی اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ کمال درجے کی تواضع کا مظاہرہ تھا اور ان کو تعلیم وتربیت اور اخلاقِ حسنہ کی ترغیب دینا تھا اور قولاً و عملاً ادھر توجہ دلانا مقصود تھی کہ مجالس میں اُٹھتے بیٹھتے دھکے نہ دیے جائیں، کندھوں پر چھلانگیں نہ لگائی جائیں اور ہوسِ بالانشینی میں ایذاءِ مسلم سے بچا جائے' سٹیج پر پہنچنا اور بالانشینی کی حرص اور شوق تکبر ونخوت کی علامت ہے، جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، وهذا خلق لایطیقه الا نبینا محمد صلی الله علیه وسلم (اتحافات ص ۳۶۵) (اور یہ ایسی بہترین

عادت وخصلت ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے علاوہ کے بھی بجالانے کی قدرت وطاقت نہیں ہوسکتی)

تمام حاضرین مجلس حصہ وافر پاتے تھے :

یعطی کل جلسائہ ...... یعنی آپ ﷺ علوم ومعارف ہدایات اور کھانے پینے کی اشیاء، تحائف اور ہدایا میں سب کو برابر کا حصہ عنایت فرماتے تھے۔ روحانی و مادی فیوض و برکات سے سب برابر مالا مال اور سیراب ہوتے تھے۔ کوئی بھی حاضر مجلس آپ ﷺ کی توجہ وعنایات سے نامراد نہ لوٹتا بلکہ سیر ہو کر بامراد اٹھتا۔

حاضرینِ مجلس کا تأثر :

لایحسب جلیسہ ...... آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب وعزیز ہے۔ آپ ﷺ امت پر شفیق اور مومنوں پر رؤف ورحیم تھے۔ آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے والے ہر ایک کو یہ یقین ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے نزدیک دوسروں سے زیادہ میں ہی عزیز ہوں۔ سب خدام اور رفقاء کار اپنے آپ کو آپ ﷺ کے معزز ومقرب ترین ساتھی سمجھتے تھے۔ دفعاً للتحاسد و رفعاً للتباغض والتقاطع المنھی عنہ۔ (مناوی ج۲ ص۱۸۰) ((حضور ﷺ کا یہ حسین برتاؤ) ان کے آپس میں بغض وحسد اور بائیکاٹ کے دفع کرنے کے لئے تھا)

طویل کلام اور طولِ نشست پر ناگواری ظاہر نہ فرماتے :

من جالسہ ...... یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے حاضرین مجلس ملاقاتیوں اور زائرین وحاجتمندوں کو فارغ کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے۔ صابرہ ای غالبہ فی الصبر علی المجالس والمکالمۃ ولا یبادر بالقیام عنہ و لایقطع کلامہ و لایظھر الملال والسآمۃ بل یستمر معہ (مناوی ج۲ ص۱۸۰) یعنی اپنے ملاقاتی کی بات غور سے سنتے جب تک وہ بیٹھے رہتے یا بات کرتے، آپ ﷺ متوجہ رہتے۔ اس کے قطع کلام یا مجلس کے برخاست کرنے میں پہل نہ فرماتے، نہ چہرے پر پریشانی اور ناگواری کے اثرات ظاہر

ہوتے، جو آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق' کمالِ تواضع اور عبدیت وانکساری کی اعلیٰ مثال ہے۔

سائلین کے ضروریات کی تکمیل فرماتے :

و من سالہ حاجۃ ...... سائلین کی ضرورت پوری فرماتے اور اگر کسی وقت سائلین کی مطلوبہ ضرورت کی تکمیل کے وسائل نہ ہوتے تو بہت ہی نرمی' محبت' شفقت اور معقول عذر سے ان کی تسلی اور تشفی فرماتے۔ وھذہ من کمال سخائہ و مروتہ و حیائہ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (اور یہی باتیں حضور ﷺ کی سخاوت مروت اور باحیا ہونے میں باکمال ہونے کی دلیل ہے)

وسعتِ اخلاق وسخاوت :

قد وسع الناس ...... یعنی آپ ﷺ کی خندہ روئی' سخاوت' اور کریمانہ اخلاق کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ آپ ﷺ کشادہ رو' خندہ جبین اور حد درجہ خوش اخلاق تھے، جو بھی ایک مرتبہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ وہ آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ قد وسع الناس ای اجمعین حتی المنافقین لکونہ رحمۃ للعالمین" (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (حضور ﷺ کی یہ وسعتِ اخلاق وسخاوت سب لوگوں کے لئے حتیٰ کہ منافقین کے لئے بھی تھی کیونکہ آپ ﷺ کی ذات تو رحمۃ للعالمین ہی ہے) بسطہ ای جودہ و کرمہ و انبساطہ و خلقہ ای و حسن خلقہ فالمراد امداداتہ الظاھرۃ و الباطنۃ (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (یعنی بسط سے مراد آپ ﷺ کا جود وکرم اور حسنِ اخلاق ہیں تو گویا مراد مدد ظاہری اور باطنی ہے)

اُمت پر رحمت وشفقت کی انتہاء :

فصار لھم ابا ...... آپ ﷺ تمام مخلوق کے لئے شفقت' محبت' ہمدردی' غمخواری میں گویا باپ کی طرح تھے، جس طرح والد شفقت' محبت' مودت' اصلاح' خبر گیری' حاجت برآری' حلِ مشکلات میں اپنی اولاد کا سہارا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ بھی مخلوق خدا کا

گویا ایک شفیق والد کی طرح عظیم سہارا تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر واعظم من اب اذ غایة الاب ان یسعی فی صلاح الظاھر وھو یسعی فی صلاح الظاھر والباطن ۔(مناوی ج۲ ص ۱۸۱) (کیونکہ والد تو اپنی اولاد کی ظاہری طور پر اصلاح کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور آپ ﷺ تو امت کے ظاہری اور باطنی اصلاحات میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے) اور قرآن مجید میں تصریح ہے۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ ۔(احزاب:۶)

اس کا ایک معنیٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ ان پر رأفت ورحمت اور لطف وکرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں۔آپ ﷺ کا اپنی اُمت پر شفقت ورأفت کا کیا عالم تھا۔شیخ عبدالرؤف ؒ فرماتے ہیں ومن ثم اشفق علی ذوی الکبائر من امته و امرھم بالستر و اتی برجل بعد تحریم الخمر و ھو سکران و تکرر ذلک فلعنوه فقال لاتلعنوه فانه یحب اللّٰه و رسوله (مناوی ج۲ ص۱۸۱) (اور اس لئے تو آپ ﷺ اپنی امت کے کبیرہ گناہ کے مرتکبین پر خوف کیا کرتے اور ان پر پردہ پوشی دینے کا حکم فرمایا۔اور حضور ﷺ کے پاس شراب کی حرمت کے بعد ایک شخص نشہ کی حالت میں لایا گیا اور وہ بار بار یہ فعل کرتا تھا۔تو صحابیؓ نے اس پر جب لعن وتشنیع کرنا شروع کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو۔کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں)

آپ ﷺ کی مجالس کا ایک منظر :

و مجلسه ...... یعنی آپ ﷺ کی مجالس میں علوم ومعارف کا افادہ واستفادہ ہوتا تھا۔حیاوشرم کی تعلیم وتربیت ہوتی تھی۔خواہشات کی پامالی آپ ﷺ کی صحبتوں کا ثمر اور نتیجۂ صبر تھا۔مجالسِ امانت کا مطلب یہ ہے کہ جو احکام وہدایات اور تعلیمات دی جاتی تھیں انہیں محفوظ کر کے بے کم وکاست دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام ہوتا تھا، جو اسرار ہوتے، وہ سینوں کے دفینے بن جاتے۔یہ چاروں باتیں یعنی علم، حیا، صبر اور امانت آپ ﷺ کی مبارک مجالس میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔مجالس میں ادب واحترام انکسار وتواضع کا یہ عالم ہوتا کہ کسی کو آواز بلند کرنے کی ہمت نہ ہوتی اور نہ کسی قسم کے شور وشغب کو راہ ملتی،

بلکہ حکمِ خداوندی" لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی" (کہ تم اپنی آوازیں حضور ﷺ کی آواز پر بلند نہ کریں) پر ہمہ تن عمل پیرا رہتے۔ صاحب اتحافات فرماتے ہیں ان مجلسہ کان کلہ صلحاً و علماً و صبراً و ادباً و امانۃً و عدم رفع للاصوات و صفاء و سرور" (اتحافات ص ۳۶۵) (کہ آپ ﷺ کی مجلس ومحفل سب اصلاحی، علمی، صبر، ادب وامانت پر مشتمل اور اخلاص وخوشی کے ساتھ جس میں کسی قسم کا شور وشغب نہ ہوتا تھا)

مجالس کی پاکیزگی :

ولاتؤبن ...... مجالس کی پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ اس میں کسی کی عزت وناموس پر عیب نہیں لگایا جاتا تھا۔ من الابن وھی العقد فی القصبات (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (أبن کا معنی بانسوں میں گرہیں ہونا) وھو العیب اوالتھمۃ ای لاتقذف ولاتعاب کذا فی الفائق ای لاتعرف ولا تذکر بقبیح (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (ملاعلی قاریؒ لا ابن کا معنی عیب اور تہمت سے کرتے ہیں تو لا تؤبن کا معنی تہمت اور عیب نہیں لگایا جاتا تھا۔ اسی طرح فائق میں ہے یعنی نہ کسی کی غلطی کو شہرت دی جاتی اور نہ کسی کا تذکرہ برائی کے ساتھ کیا جاتا تھا)

ولاتثنی ...... اور نہ مجالس میں لوگوں کے عیوب وزلات کو اچھالا جاتا تھا بلکہ آپ ﷺ کی مجالس ہفوات ولغویات سے پاک ہوتی تھیں۔ علامہ مناویؒ لکھتے ہیں ای لا تشاع و لاتذاع فلتاتہ ای زلاتہ وھفواتہ واحدہ فلتۃ وھو الھفوۃ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۲)

صفاتِ صحابہ کرامؓ :

متعادلین ...... یعنی سب صحابہ کرامؓ اپنے آپ کو دوسروں کے برابر سمجھتے تھے۔ کبر وغرور سے نفرت تھی۔ ای متساوین لایتکبر بعضھم علی بعض بالحسب والنسب بل کانوا کما قال یتفاضلون بالتقوی (جمع ج ۲ ص ۱۸۲)

یعنی آپ کی مجالس میں بعض کو بعض پر تقویٰ کی وجہ سے فضیلت حاصل تھی اور یہ آپ ﷺ ہی کی تربیت وصحبت کی برکت تھی کہ صحابہ کرامؓ بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پر رحم کھاتے، حاجتمندوں کو ترجیح دیتے اور مسافروں کا اکرام واحترام اور ان کی حفاظت فرماتے

وهذا الحديث من الجوامع الدالة على كمال أوصافه صلى الله عليه وسلم (اتحافات ص ۳۶۵) (اور یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے جو حضور ﷺ کے اوصاف کاملہ پر دلالت کرتی ہے)

(۳۲۳/۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَزِيْعٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اُهْدِيَ اِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِيْتُ عَلَيْهِ لَاَجَبْتُ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عبداللہ بن بزیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے بشر بن مفضل نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سعید نے قتادۃ کے حوالہ سے بیان کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے بکری کا ایک پیر بھی دیا جائے تو میں قبول کروں اور اگر اس کی دعوت دی جائے تو میں ضرور جاؤں۔

راوی حدیث (۶۰۳) محمد بن عبداللہ بن بزیعؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

الکُراع کا لغوی معنٰی :

الکُراع بکری یا گائے کے پائے کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے والے حصے کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اکرع اور اکارع آتی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے بھی کراع کے یہی معنی نقل کیے ہیں وهو مادون الركبة من الساق و مادون الكعب من الدواب۔ (جمع ج ۲ ص ۱۸۳)

تحفہ و دعوت کی قبولیت سنت ہے :

بکری کے پائے کے ذکر سے مراد تحفہ اور ہدیہ کی کمی اس کا تھوڑا اور ادنیٰ ہونا ہے۔

یعنی تحفہ کم سے کم ہو اور تھوڑے سے تھوڑا ہو، قبول کرلوں گا کہ تحفہ قبول کرنے میں حظ نفس نہیں ہوتا، بلکہ بھیجنے والے کی دلجوئی مقصود ہوتی ہے۔ اسی طرح دعوت پر بلاوے کی منظوری میں بھی مقصود کھانا نہیں، بلکہ داعی کی تسکین خاطر ہے، جو آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق اور کمالِ تواضع کی روشن دلیل ہے۔ شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں، وفیہ ندب قبول الهدية و اجابة الدعوة و لولشئی قلیل و کمال تواضعه و حسن خلقه و جلبه للقلوب۔ (مناوی ج۲ص۱۸۳) یعنی اگرچہ تھوڑی سی چیز کا تحفہ کیوں نہ ہو یا تھوڑی شئی پر دعوت کیوں نہ دی گئی ہو، اسے قبول کرنا اور دعوت پر جانا اس حدیث کی رو سے مندوب ہے اور اسی حدیث سے آپ ﷺ کا کمالِ تواضع حسنِ اخلاق اور دلوں کو موہ لینا ثابت ہے۔

(۳۲۳/۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ نِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلٍ وَّلَا بِرْذَوْنٍ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمٰن نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (میری عیادت کے لئے) تشریف لائے نہ خچر پر سوار تھے نہ ترکی گھوڑے پر (یعنی نہ گھٹیا سواری پر سوار تھے نہ بڑھیا پر بلکہ پاپیادہ تشریف لائے۔

حضور ﷺ اپنے صحابہؓ کی پیدل چل کر عیادت فرماتے :

قال جاء نی ...... حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے پاس (عیادت کے لئے) تشریف لاتے تو خچر یا ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔ البرذون الفرس العجمی۔ (اتحافات ص۳۲۶) و فی المغرب هو الترکی من الخیل و لعله اراد مایتناول البرذونة تغلیباً۔ (مواہب ص۲۲۸) (برذون کا معنیٰ کسی نزدیک عجمی گھوڑے کے ہیں اور کوئی اس کا معنیٰ ترکی گھوڑے سے کرتے ہیں نیز برذون اگرچہ مذکر ذکر کیا گیا لیکن

تغلیباً برذونہ (گھوڑی مادہ) کو بھی شامل ہے) یعنی نہ تو آپ ﷺ کے پاس گھٹیا سواری تھی نہ بڑھیا' بلکہ پا پیادہ تھے۔ علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں ' فکان صلی اللہ علیہ وسلم لتواضعہ یذور علی اصحابہ ماشیا۔ (مواہب ص۴۲۸)

یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے صحابہؓ کے ہاں اکثر اوقات میں تواضعاً پیادہ تشریف لے جایا کرتے۔ بخاری شریف میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو حضور اقدس ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ دونوں پیادہ پا میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے اور مجھے بے ہوشی کے عالم میں پایا۔ حضور ﷺ نے وضو بنایا، پھر اس وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا، آرام ہو گیا۔

حضرت جابرؓ سے ایک دوسری روایت میں بھی آپ ﷺ کی شفقت' فروتنی' انکساری اور تواضع کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں کہ" ہمارے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نہ تو کسی عمدہ گھوڑے پر سوار تھے اور نہ کسی خچر پر' آپ ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو اپنے پیچھے کسی غلام کو بٹھا لیتے اور کبھی کسی عام آدمی کو' کبھی ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ خود درمیان میں ہو جاتے اور ایک عام آدمی کو پیچھے بٹھا لیتے اور ایک آدمی کو آگے۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو بنی عبدالمطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بچے کو آگے بٹھا لیا اور ایک کو پیچھے بٹھایا۔

حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہوئے شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں و ھذا الحدیث یفید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یزور اصحابہ و یعودھم ماشیا 'لما فی ذلک من کثرۃ الثواب و عظیم التواضع (اتحافات ص۳۶۶) (حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہؓ کی زیارت و ملاقات اور بیمار پرسی پیدل چل کر فرمایا کرتے تھے کیونکہ اس میں تواضع کے ساتھ ساتھ بہت ثواب و درجات کا حصول بھی ہے)

(۱۰/۳۲۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اَبُوْنُعَیْمٍ حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ اَبِی الْهَیْثَمِ الْعَطَّارُ قَالَ سَمِعْتُ یُوْسُفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ سَمَّانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْسُفَ وَاَقْعَدَنِىْ فِىْ حَجْرِهٖ وَ مَسَحَ عَلٰى رَاْسِىْ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابونعیم نے خبر دی۔انہیں یہ روایت یحیٰی بن ابی ہیثم عطار نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں میں نے یوسف بن عبداللہ بن سلام کو یہ کہتے ہوئے سنا۔کہ حضور اقدس ﷺ نے میرا نام ''یوسف'' تجویز فرمایا تھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا تھا اور میرے سر پر دست شفقت پھیرا تھا۔

راویان حدیث (۶۰۴) یحیٰی بن ابی الهیثم '' اور (۶۰۵) یوسف بن عبداللہ بن سلام '' کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بچوں سے محبت اور شفقت :

سمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوسف واقعدنی فی حجرہ..... الخ '

الحجر ! الثوب و هو طرفه المقدم منه لان الصغیر یوضع فیه عادة و یطلق علی المنع من التصرف و علی الانثی من الخیل و حجر ثمود و حجر اسماعیل و غیر ذلک مما فی قول بعضهم ....

رکبت حجرا و طفت البیت خلف الحجر
و حزت حجرا عظیما ما دخلت الحجر
للّٰہ حجر منعنی من دخول الحجر
ما قلت حجرا و لو أعطیت ملٔ الحجر

(مواہب ص ۴۲۸)

(حضور ﷺ نے میرا نام یوسف رکھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا۔لفظ حجر (حاء پر تینوں حرکات کے ساتھ مختلف معانی میں مستعمل ہوتا ہے) علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مراد کپڑے (قمیص وغیرہ) کا سامنے کا حصہ اور کنارہ (یعنی دامن، گود) اس لئے کہ چھوٹے لڑکے کو عادتاً اس میں رکھا جاتا ہے۔اور اس کا اطلاق ممانعت، گھوڑی، حجر ثمود، حجر اسماعیل علیہ السلام وغیرہ پر (یعنی عقل، پتھر، حرام، آنکھ کا خانہ) ہوتا ہے جیسے بعض شعراء کے اس

قول میں کہ میں نے گھوڑی پر سوار ہو کر حجر اسود کے پیچھے بیت اللہ کا طواف کیا۔ اور میں نے ایک عظیم الشان پتھر (حجر اسود) کو پناہ کے لئے مخصوص کیا۔ میں کسی معمولی پناہ گاہ میں داخل نہیں ہوا قسم بخدا یہ ایسا متبرک عالی شان پتھر ہے کہ اس نے مجھے حجر ثمود وغیرہ کے داخل ہونے سے روک دیا میں نے کبھی کوئی ممنوع (حرام) کام کا حکم نہیں کیا اگر چہ اس کے لئے مجھے بھری دامن (سونا چاندی) کی پیش کش بھی ہوئی ہو)

هو بالكسر ما بين يديك من بدنك و بالفتح فرج الرجل والمراة (مناوی ج ۲ ص ۱۸۴) جس طرح یوسف بن عبد اللہ بن سلام نے آپ ﷺ کی شفقت، محبت اور پیار کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح تمام صحابہ کرامؓ کے بچوں کے ساتھ آپ ﷺ پیار اور محبت فرماتے تھے۔ علامہ یوسف النبھانیؒ فرماتے ہیں " جب کہیں راستے میں بچے ملتے، تو ان کو سلام کرتے، خندہ پیشانی کے ساتھ ان کے ساتھ گفتگو فرماتے، جب باہر سفر سے تشریف لاتے، تو سب سے پہلے گھر کے بچوں سے ملتے، بچوں اور گھر والوں سے حد سے زیادہ شفقت و محبت فرماتے، جب کوئی شخص کسی بچہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں لاتا تو آپ ﷺ کوئی کھانے کی چیز اپنے دہن مبارک میں چبا کر اس بچے کے منہ میں ڈال دیتے۔ اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کرتے۔ انصار کے گھروں میں تشریف لے جاتے تو ان کو سلام کرتے اور پیار سے اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ (وسائل الوصول)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ کی کمال شفقت اور بچوں پر کمال رحمت معلوم ہوتی ہے۔ نیز تواضع کا کمال یہی ہے کہ ایسے کم عمر بچوں کو گود میں لینے سے اعراض واستنکاف نہ فرماتے تھے اور یہ بھی کہ بچوں کا بزرگوں کی خدمت میں لے جانا' ان سے نام تجویز فرمانا ثابت ہوتا ہے۔ (خصائل) و فيه انه يسن لمن يقتدى به ويتبرك به تسمية اولاد اصحابه وتحسين اسماء هم و ان اسماء الانبياء من اسماء هم الحسنة و وضعه فى الحجر (مناوی ج ۲ ص ۱۸۴) (علامہ مناویؒ لکھتے ہیں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی تابعداری کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے احباب و متعلقین کی اولاد کے لئے اچھے نام تجویز فرمائے خصوصاً انبیاء کرام

علیہم السلام کے مبارک اسماء وغیرہ سے انتخاب فرمائے۔ نیز چھوٹے بچوں کو گود میں لینے کے عمل کی سنیت بھی معلوم ہورہی ہے)

مسح علی رأسی ! زاد الطبرانی و دعا لی بالبرکۃ و فی فعلہ لھذین من کمال رحمتہ و محاسن اخلاقہ وتواضعہ مالا یخفی۔(مناوی ج۲ص ۱۸۴)

(اور آپ ﷺ نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ طبرانیؒ نے یہ زیادتی نقل فرمائی کہ میرے لئے برکت کی دعا بھی فرمائی اور حضور ﷺ کے ان دو افعال کے عمل سے آپ ﷺ کی تواضع، حسنِ خلق اور کمالِ شفقت پوری طرح واضح ہورہی ہے)

(۳۲۶/۱۱) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ اَنْبَاَنَا الرَّبِيْعُ وَهُوَ ابْنُ صَبِيْحٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ الرَّقَاشِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّ عَلٰى رَحْلٍ رَثٍّ وَ قَطِيْفَةٍ كُنَّا نَرٰى ثَمَنَهَا اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ قَالَ لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ لَا سُمْعَةَ فِيْهَا وَلَا رِيَاءَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد (طیالسی) نے بیان کیا۔ ان کو ربیع بن صبیح نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یزید رقاشی نے بیان کیا اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک کجاوہ پر حج کیا، جس پر کپڑا تھا، جس کی قیمت ہمارے خیال میں چار درہم ہوگی۔ حضور ﷺ یہ دعا کرتے تھے کہ خدایا اس حج کو ریا اور شہرت سے مبرا فرمائیو۔

مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے تشریح اسی باب کی حدیث نمبر ۵ میں گذر چکی

(۳۲۷/۱۲) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ وَ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا خَيَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَّبَ لَهٗ ثَرِيْدًا عَلَيْهِ دُبَّاءٌ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَاخُذُ الدُّبَّاءَ وَ كَانَ يُحِبُّ الدُّبَّاءَ قَالَ ثَابِتٌ فَسَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ فَمَا صُنِعَ لِيْ طَعَامٌ اَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُّصْنَعَ فِيْهِ دُبَّاءٌ اِلَّا صُنِعَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت معمر نے ثابت بنانی اور عاصم احول کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس ﷺ کی دعوت کی۔ کھانے میں ثرید تھا اور اس پر کدو پڑا ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کو کدو چونکہ مرغوب تھا، اس لئے حضور اکرم ﷺ اس پر سے کدو نوش فرمانے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرے لئے کوئی کھانا تیار نہیں کیا گیا، جس میں مجھے کدو ڈلوانے کی قدرت ہو اور کدو اس میں نہ ڈالا گیا ہو۔

یہ حدیث اس سے قبل باب ماجاء في إدام رسول الله صلى الله عليه وسلم میں گذر چکی ہے۔ یہاں بقول علامہ البیجوریؒ کہ " لدلالته على تواضعه" (مواہب ص ۲۳۹) (آپ ﷺ کے تواضع پر دال ہونے کے پیش نظر اسے دوبارہ نقل کر دیا گیا ہے۔ وہاں بجائے ثرید کے شوربے روٹی کا ذکر تھا۔ یہاں ثرید کی تصریح ہے۔ ثرید شوربے میں بھیگی ہوئی روٹی کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دونوں چیزیں ہوں۔ شوربا روٹی بھی ہو اور ثرید بھی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ثرید اس کو مجازاً کہہ دیا ہو یا اُس حدیث میں شوربا روٹی اجزاء کے لحاظ سے کہہ دیا ہو کہ ثرید بھی شوربا روٹی ہی ہوتی ہے۔

(۳۲۸/۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِيْ مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ قَالَتْ قِيْلَ لِعَائِشَةَ مَاذَا كَانَ يَعْمَلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ يَفْلِيْ ثَوْبَهٗ وَ يَحْلُبُ شَاتَهٗ وَ يَخْدِمُ نَفْسَهٗ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن اسمٰعیل نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ

ہم اسے عبداللہ بن صالح نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت معاویہ بن صالح نے یحییٰ بن سعید کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عمرۃؓ سے نقل کی۔ عمرۃؓ کہتی ہیں کہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ دولت کدہ میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے۔ اپنے کپڑے میں خود ہی جوں تلاش کر لیتے تھے اور خود ہی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے اور اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے۔

راوی حدیث (۶۰۶) عمرۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

یفلی ' اس کا مصدر فلیاً اور تفلیۃ آتا ہے' جب یہ الامر کے ساتھ آئے تو کسی معاملہ کے اسباب و وجوہ پر غور کرنا مراد ہوتا ہے جب السیف کے ساتھ آئے تو تلوار کے ساتھ مارنا مراد ہوتا ہے، جب عقل کے ساتھ آئے تو آزمائش کرنا مراد ہوتا ہے اور جب رأس یا ثوب کے ساتھ آئے تو سر یا کپڑے سے جوئیں ڈھونڈنا اور تلاش کرنا مراد ہوتا ہے اور یہاں یہی معنیٰ مراد ہے۔ فلی راسه بحثه عن القمل کفلاه ای یفتش (جمع ج ۲ ص ۱۸۵) یحلب ' حلبٌ یا حلابٌ سے ہے بمعنیٰ دودھ دوہنے کے۔

سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم :

کان بشرا من البشر...... یعنی آپ ﷺ بھی بشری تقاضے لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے تو اُمت کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ گھر کا کام کاج کرنا، گھر میں خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی گذارنا' اپنے کام خود انجام دینا' معمولی اور چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینا، آپ ﷺ کا بھی معمول تھا اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے للتواضع و ترک الترفع لکنه مشرف بالوحی والنبوۃ و مکرم بالمعجزات والرسالۃ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۵) (آپ ﷺ کا مذکورہ امور کو سرانجام دینا تو صرف تواضع اور ترک تکبر کے لئے تھا ورنہ آپ ﷺ کی ذات اقدس تو وحی خداوندی، نبوت، رسالت اور معجزات

سے مشرف و معزز بنائی گئی تھی جیسے کہ آیت انما بشر مثلکم یوحیٰ الیّ . الآیہ میں یہی اشارہ مقصود ہے (کہ میں تو تم جیسا انسان ہی ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی گئی ہے) کما فی قولہ تعالیٰ انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ الایة ۔

کمالِ عزت و تکریم :

یفلی ثوبه ...... حاشیۂ شمائل میں ہے۔ لم یقع علیه ذباب قط و لم یکن القمل یوذیه تعظیماً و تکریماً لجاهه' یعنی آنحضرت ﷺ کے وجود اطہر پر مکھی ہرگز نہیں بیٹھتی تھی اور نہ ہی جوں آپ ﷺ کے وجود اطہر میں ایذاء پہنچانے کے لئے پیدا ہوئی۔ یہ آپ ﷺ کی کمال عزت و تکریم ہے۔

علماء کی تحقیق :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

اور علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن یا کپڑوں میں جوں نہیں پڑتی تھی ۔اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جوں بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے اور پسینہ سے بڑھتی ہے اور حضور اقدس ﷺ سراسر نور تھے۔ وہاں میل کچیل کہاں تھا۔اسی طرح آپ ﷺ کا پسینہ سراسر گلاب تھا، جو خوشبو میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بھلا عرقِ گلاب میں جوں کا کہاں گزر ہو سکتا ہے۔اس لئے تلاش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس احتمالؔ سے کہ شاید کسی دوسرے کی جوں چڑھ گئی ہو تلاش فرماتے تھے۔بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تلاش کرنا بھی دوسروں کی تعلیم کے لئے تھا کہ جب وہ حضور اکرم ﷺ کو اس کا اہتمام کرتے دیکھیں گے تو زیادہ اہتمام کریں گے۔(خصائل)

==============================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس ﷺ کے اخلاق وعادات کے بیان میں

لفظِ خُلق کی تشریح :

خُلق ' عادت طبیعت اور خصلت کو کہتے ہیں۔اس کی جمع اخلاق ہے۔وہ قوت جس سے بن سوچے اور بغیر فکر کے افعال بہ سہولت صادر ہوں۔ الخلق بضم الخاء واللام هو الطبع والسجية وهو من الأوصاف الباطنية قال الامام الغزالى ، الخلق ، هيئة للنفس تصدر عنها الافعال بسهولة فان كانت الهيئة جميلة' سميت خلقا حسنا ' والاسميت خلقا سيئاً ۔(اتحافات ص۳۶۹) (الخلق (خاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ) اوصاف باطنیہ میں سے ایک وصف ہے اور بمعنی طبیعت اور خصلت کے ہے امام غزالی" فرماتے ہیں کہ خلق نفس کی ایک کیفیت اور حالت جس سے افعال کا صدور سہولت اور آسانی سے ہو اگر (افعال) کیفیت جمیلہ سے موصوف ہوں تو انہیں اخلاق حسنہ کا نام دیا جاتا ہے ورنہ پھر اخلاق سیئہ کہلاتے ہیں) وعن العسقلانى حس الخلق تحصيل الفضائل و ترك الرذائل (جمع ج۲ص۱۸۶) (امام عسقلانی" سے منقول ہے کہ حسن خلق یہ کہ اخلاق رذیلہ کو چھوڑ کر فضائل (بلند مرتبہ اخلاق) اختیار کر لینا)

حُسنِ اخلاق :

حضور اقدس ﷺ کے اخلاق بے مثال ہیں اور پورے عالم کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔آپ ﷺ کے اخلاق جمیلہ اور عادات شریفہ پوری دنیا میں ضرب المثل ہیں۔ قرآن پاک نے آپ ﷺ کے بلندیٔ اخلاق کی گواہی دی ہے۔ وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:۴) (اور بے شک آپ بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہیں) حضرت عائشہؓ

فرماتی ہیں ما کان احد احسن خلقا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم مادعاہ احد من اصحابہ و لامن اھل بیتہ الّا قال لبیک (مناوی ج۲ ص۱۸۵) (نبی کریم سے زیادہ حسین اور اچھے اخلاق والا کوئی بھی نہیں تھا چنانچہ صحابہؓ یا اہل بیت (گھرانے کے افراد) میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کو اگر کبھی بلایا تو آپ ﷺ اس پر لبیک کہہ کر حاضر ہوئے) آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کا احاطہ اور احصاء دشوار ہے۔ علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں' وعرفوا حسن الخلق بانّہ مخالطۃ الناس بالجمیل والبشر واللطافۃ و تحمل الاذی و الاشفاق علیھم و الحلم والصبر و ترک الترفع والاستطالۃ علیھم وتجنب الغلظۃ والغضب والمواخذۃ (مواہب ص۲۵۳) یعنی اختلاط باہمی کے دلکشا مظاہر و آداب کے ہمرکاب خندہ پیشانی اور بے پایاں لطف و مہربانی کے جلو میں دوسروں کی تکالیف برداشت کرنے' نیز ان کے مصائب کی گرہ کشائی بردباری صبر و تحمل' پے در پے برتری کی نمو کا ترک، مروت واحسان کے مواقع پر درشتی اور سختی کی روش سے پہلوتہی' بدلہ لینے کا محاسبہ اور غصے سے اجتناب آپ ﷺ کے کردار اور اخلاقِ حسنہ کے ممتاز اور نمایاں جواہر ہیں۔ شمائل سارے آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ ہیں۔ سیرت آپ کے اخلاقِ حسنہ ہیں۔

باب ھذا میں مصنفؒ بطورِ نمونہ کے پندرہ حدیثیں نقل کر کے محمدی اخلاق کی ایک جھلک دکھار ہے ہیں۔ و ھذہ الترجمۃ لبعض اخلاق النبی و بعض سجایاہ ' لالجمیعھا بدلیل أن التواضع مثلاً من اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم ' ومع ذلک فقد ذکر قبل (اتحافات ص۳۶۹) (جیسا کہ صاحب اتحافات بھی یہی کچھ لکھتے ہیں کہ یہ عنوان تو نبی علیہ السلام کے سب اخلاق کے تذکرے کے لئے نہیں بلکہ اس میں حضور ﷺ کے بعض اخلاق اور خصائل کا ذکر ہے مثلاً تواضع بھی آپ ﷺ کے اخلاق ہی کا جز ہے حالانکہ اس کا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے)

(۳۲۹/۱) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّوْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ الْمُقْرِئُ

کے لئے آنا چاہیے' خواہ وہ دنیوی اُمور کا ہوتا یا اخروی اُمور کا' حتی کہ کھانے پینے کا تو آپ ﷺ ان کو اپنے نیک اور مبارک مشوروں سے سرفراز فرماتے۔

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں، اگر ہم اپنی مجالس میں دنیا کی زندگی' اس کے لوازمات' بے ثباتی اور اسی کی تنگی وخوشحالی کا تذکرہ کرتے' تو آپ ﷺ بھی اسی موضوع میں شریک ہوکر اپنے گرانقدر آراء اور مشوروں سے نوازتے اور جب آخرت' دوامِ حیات' وہاں کے انعامات اور سزاؤں کا ذکر کرتے تو اس موضوع میں بھی شریکِ گفتگو ہو جاتے اور اگر مجلس میں خورد و نوش کی اشیاء کا ذکر ہوتا تو اسی گفتگو میں بھی شریک ہو کر متعلقہ موضوع سے متعلق رہنمائی اور ہدایات سے سرفراز فرماتے۔

آخری جملہ کا مفہوم :

فکل ھذا احدثکم .. شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس اخیر جملہ کا ترجمہ مشائخ درس کے نزدیک یہی ہے' جو لکھا گیا ہے، لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک شروع حدیث میں (حضور اقدس ﷺ کے کیا حالات سناؤں) کے ساتھ مرتبط ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ہر نوع کے حالات سنا سکتا ہوں۔ اس لئے جس قسم کے تذکرہ کی درخواست کرو، وہ سناؤں کہ میں پڑوسی بھی تھا اور کاتبِ وحی بھی اور حضور اقدس ﷺ کے معمولات میں دین اور دنیا کھانا پینا' غرض ہر قسم کے تذکرے شامل تھے۔ اس لئے کیا سناؤں اور کونسا تذکرہ کروں کہ ہر تذکرہ عجیب تھا اور ہر سماں لطیف ولذیذ۔

شیخ عبدالرؤفؒ اخیر جملہ فکل احدثکم کے متعلق تشریحاً لکھتے ہیں۔ لتتفقھوا فی الدین فترفعوا الی درجات المقربین. فاعاده لیؤکد به الحدیث و یظھر اھتمامه به و فیه جواز تحدیث الکبیر مع صحبه فی المباحات و بیان جواز امثال ذلک واجب علی المصطفیٰ فلیس ذکر الدنیا والطعام فی ھذا المقام خالیا عن فائدة علمیة و ادبیة ۔

(مناوی ج۲ص۱۸۸) (یعنی یہ سب کچھ آپ ﷺ کے حالات اس لئے بیان کر رہا ہوں تا کہ تم لوگ دین کی تفقہ (سمجھ بوجھ) حاصل کریں تو پھر تم بھی مقربین بارگاہ الٰہی کے بلند مراتب و درجات کو پہنچ جاؤ گے۔ حضرت زیدؓ نے سابقہ جملہ کو حدیث کی تاکید اور اس

کے اہتمام کے اظہار کے لئے ہی دہرایا۔ نیز حدیث سے بزرگ ترین شخصیت کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مباح امور میں گفتگو کرنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے اور ان جیسے امور کے جواز کا بیان آپ ﷺ کے لئے ایک حد تک ضروری بھی تھا تو گویا اس مقام میں دنیا اور کھانے پینے کے تذکرے علمی اور ادبی فوائد سے ہرگز خالی نہیں)

(۲/۳۳۰) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا یُوْنُسُ بْنُ بُکَیْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ زِیَادِ بْنِ اَبِیْ زِیَادٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ کَعْبِ الْقُرَظِیِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُقْبِلُ بِوَجْهِهٖ وَحَدِیْثِهٖ عَلٰی اَشَرِّ الْقَوْمِ یَتَاَلَّفُهُمْ بِذٰلِکَ فَکَانَ یُقْبِلُ بِوَجْهِهٖ وَحَدِیْثِهٖ عَلَیَّ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنِّیْ خَیْرُ الْقَوْمِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا خَیْرٌ اَوْ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا خَیْرٌ اَمْ عُمَرُ فَقَالَ عُمَرُ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا خَیْرٌ اَمْ عُثْمَانُ فَقَالَ عُثْمَانُ فَلَمَّا سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَدَقَنِیْ فَلَوَدِدْتُ اَنِّیْ لَمْ اَکُنْ سَاَلْتُهٗ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسٰی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یونس بن بکیر نے محمد بن اسحٰق کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت زیاد بن ابی زیاد سے اور انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے نقل کی اور انہوں نے اسے عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس ﷺ تالیفِ قلوب کے خیال سے اپنی توجہ اور اپنی خصوصی گفتگو مبذول فرماتے تھے۔ چنانچہ خود میری طرف بھی حضور اکرمؐ کی توجہات اور کلام کا رُخ بہت زیادہ رہتا تھا۔ حتی کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں اسی وجہ سے کہ حضور اکرم ﷺ سب سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ میں نے اسی خیال پر ایک دن دریافت فرمایا کہ حضور ﷺ! میں افضل ہوں یا ابوبکرؓ، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمرؓ، حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ، پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عثمانؓ، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عثمانؓ۔ جب میں نے

حضور اکرم ﷺ سے تصریحاً پوچھا تو حضور ﷺ نے بلا رعایت صحیح صحیح فرمادیا اور مجھے یہ خیال ہوا کہ مجھے ایسی بات ہرگز نہیں پوچھنی چاہیے تھی۔

راویان حدیث (۶۱۰) زیاد بن ابی زیاد" (۶۱۱) محمد بن کعب القرظی" اور (۶۱۲) عمرو بن العاصؓ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

کریمانہ اخلاق کی انتہاء :

یقبل بوجهه ...... حضور اقدس ﷺ بداخلاق، درشت خو اور معاشرے کے بدترین افراد سے بھی حد درجہ خندہ پیشانی، کشادہ روئی سے پیش آئے اور دورانِ گفتگو اپنا رُخ اُن کی طرف پھیر کر بھرپور توجہ سے گفتگو فرماتے اور رحمت ورأفت اور شفقت ومحبت سے ان کے حال پر کرم فرماتے، توجہ فرماتے، محبت کرتے تاکہ ان کا دل نرم ہو اور حق قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔ حضور اقدس ﷺ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی تکبر، رعونت، استکبار اور بے اعتنائی روا نہیں رکھتے تھے، جب غیروں کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ حلم تھا، یہ بردباری تھی اور اس قدر شفقت کریمانہ تھی، تو اپنوں کا تو کیا کہنا۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں، حتی ظننت انی خیر القوم ای من کثرۃ التفاته۔ (جمع ج۲ ص۱۸۹) یعنی وہ سمجھنے لگے کہ میرا مقام ومرتبہ گویا اب حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، سے بھی بڑھ گیا ہے۔

عمرو بن العاصؓ کے سوال کا حقیقت پر مبنی جواب :

اس لئے سوال کر ڈالے جب حضور اقدس ﷺ نے انہیں جواب میں اُن حضرات کی افضلیت کا بتادیا اور یہ کہ یہ تینوں حضرات علی الترتیب مقام فضل وعظمت پر فائز تھے، جو خود سائل کو بھی معلوم تھے، جیسا کہ ان کے سوال سے مترشح ہوتا ہے اور جمہور صحابہؓ کو بھی معلوم تھے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح آتی ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پھر حضرت عمرؓ کو افضل سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت ابوبکر

صدیقؓ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے۔ ان کے بعد سب سے افضل حضرت عمرؓ کو، ان کے بعد حضرت عثمانؓ کو، پھر ان کے بعد اور صحابہ میں کچھ ترجیح نہ دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تینوں حضرات کی اس ترتیب سے ترجیح اور افضلیت ایسی عیاں تھی کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات ہی میں ہم صحابہ کی جماعت اس کو مانتے تھے۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد نے اپنے والد یعنی حضرت علیؓ سے پوچھا کہ حضور اکرمؐ کے بعد سب سے افضل شخص کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ۔ میں نے پوچھا ان کے بعد، انہوں نے فرمایا عمرؓ، اسی طرح سے اور بہت سی روایات ہیں، جن سے حضور اکرمؐ کے زمانے ہی سے یہ ترتیب معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے انہوں نے اپنے سے مقابلہ کے لئے اسی ترتیب سے سوال کیا کہ اوّل ان سے مقابلہ کیا، جو سب سے افضل شمار ہوتے تھے، پھر نمبر ۲ پھر نمبر ۳ سے کہ میں اگرچہ افضل ترین شخص سے نہیں بڑھ سکا تو شاید نمبر ۲ نمبر ۳ ہی سے بڑھ جاؤں۔ (خصائل)

عمرو بن العاص کی اپنے سوال پر ندامت :

فصد قنی ...... آپ ﷺ نے بلا رعایت اور میری مدارت کا لحاظ کئے بغیر صحیح جواب مرحمت فرمایا۔ ای اجابنی بالصدق من غیر مراعاۃ و مدارۃ ۔(مواہب ص ۲۵۲) جو حقیقت تھی، وہ صحیح صحیح بیان فرمادی۔ بس پھر کیا تھا' خود حضرت عمرو بن العاصؓ نادم ہوئے۔ فلودت انی لم یکن سئلته 'کاش میں نے آپ ﷺ سے یہ بات نہ پوچھی ہوتی۔ شمائل کے حاشیہ میں ہے۔ ھذہ الندامۃ من السوال استحیاء من الخطاء الفاحش یعنی اظہار ندامت کا یہ کردار اس شرمندگی کی بناء پر ہوا کہ وہ یہ سوال کر کے صریح غلطی کے مرتکب ہوئے۔

علامہ حافظ زین العراقی نے حدیث مذکور کا خلاصہ نظم میں اسی طرح ذکر فرمایا :

یجالس الفقیر و المسکینا   و یکرم الکرام اذ یأتونا

لیس مواجها بشئی یکرهه   جلیسه بل بالرضاء یشافهه

(آپ ﷺ کی ہم نشینی (بیٹھنا اٹھنا) فقیروں، مسکینوں سے ہوا کرتی اور جب معزز لوگ آپ ﷺ کے پاس آتے تو ان کی بھی عزت و تکریم فرماتے تھے آپ ﷺ کی ملاقات

کا انداز ایسا نہ ہوتا کہ اسے صاحبِ محفل ناپسند کرے بلکہ خوشی رضا آپ ﷺ کا اس سے ملتا جلتا ہوتا)

(۳/۳۳۶) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِيْ اُفٍّ قَطُّ وَ مَا قَالَ لِيْ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَا صَنَعْتَهُ وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَلَا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيْرًا قَطُّ وَلَا شَيْئًا كَانَ اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَلَا شَمِمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ اَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو جعفر بن سلیمان ضبعی نے ثابت کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس حضور اقدس ﷺ کی خدمت کی ہے مجھے کبھی کسی بات پر حضور اکرم ﷺ نے اُف تک بھی نہیں فرمایا، نہ کسی کام کے کرنے میں یہ فرمایا کہ کیوں کیا اور اسی طرح نہ کبھی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ حضور اقدس ﷺ اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے (ایسے ہی خلقت کے اعتبار سے بھی حتیٰ کہ) میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور اقدس ﷺ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور اکرم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔

حضرتِ انسؓ خدمتِ نبوی میں :

قال خدمت رسول اللہ صلی اللہ ...... حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس ﷺ کی خدمت کا شرف دس سال تک حاصل رہا۔ عشر سنین کی تصریح ہے۔

بعض روایات میں تسع سنین ' کی تصریح ہے تو یہ کسر کے حذف اور شمار پر محمول ہوگا، جن روایات میں کسر کا حذف ہے۔ وہاں نو سال کی تصریح ہے اور جن میں کسر کو شمار کیا گیا ہے، وہاں دس سال کا ذکر آ گیا ہے۔ اس قسم کے اطلاقات مجازی ہوتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے فرمایا کہ کام کاج کے لئے کوئی لڑکا تلاش کر کے لاؤ۔ یہ کام حضرت طلحہؓ کے حوالے کیا گیا، جبکہ بعض دوسری روایات میں ہے کہ حضرت انسؓ کو خود اُن کی والدہ لے آئیں اور بارگاہِ نبوت میں پیش فرمایا ،مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں روایات درست ہیں اور ان میں کوئی منافاۃ نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے کہا کہ وہ لڑکا تلاش کر کے لائیں، وہ تلاش میں ہوں کہ اس دوران حضرت انسؓ کی والدہ خود انہیں لا کر حاضر خدمت ہوئی ہوں یا کسی سے سنا ہو کہ آپؐ کو خادم کی ضرورت ہے اور تلاش جاری ہے۔ تب لائی ہوں کہ اس سے بڑھ کر موقع سعادت اور کیا ہو سکتا ہے۔

ناگوار اُمور پر اُف تک نہ کہا :

فما قال لی اُف قط ' حضرت انسؓ بارگاہِ نبوت میں اپنی خدمت وصحبت کا دس سالہ مشاہدہ بیان فرماتے ہیں کہ گھر کے خادم ہونے کے ناطے دانستہ یا نادانستہ مجھ سے فروگذاشتیں بھی ہوتی ہوں گی' کوتاہیاں تو لازمۂ بشریت ہیں، مگر آپ ﷺ کبھی ناراض نہ ہوئے اور کسی بھی ناگوار امر پر ہلکی سے ہلکی تنبیہ کرتے ہوئے اُف تک بھی نہیں کہا اور نہ کبھی یہ کہا یہ کام کیوں کیا اور نہ کبھی یہ کہا کہ یہ کام کیوں چھوڑا۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ ' اتباعِ سنت کا کامل نمونہ :

اس موقع پر مجھے اپنے شیخ ومربی' اپنے استاذ امیر المؤمنین فی الحدیث محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہٗ بے اختیار یاد آنے لگے۔ وہ ایک سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔ اتباعِ سنت میں کامل تھے۔ مجھے دس سال کی خدمت' صحبت' قربت' سفر وحضر کی رفاقت کا موقع میسر آیا۔ حضرتؒ کے ساتھ علمی ودینی کام کیے۔ تدریسی

کام انتظامی اُمور حضرت کے شب و روز کے کاموں میں معاونت کے علاوہ سیاسی رفاقتیں بھی رہیں۔ حضرت کے حینِ حیات اُن کے حکم بلکہ ان کی موجودگی میں جمعہ عیدین، تبلیغی و اصلاحی اجتماعات اور حضرت ہی کی جانب سے بعض بڑے بڑے سیاسی جلسوں میں تقریر و بیانات اور خطاب کے مواقع ملتے رہے، مگر قربان جاؤں حضرت شیخ کی ادا و انداز تربیت پر، اس طویل عرصۂ خدمت و رفاقت میں حضرت ؒ نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہا، بلکہ تحریر و تقریر بیان و خطاب میں بھی نہ کبھی موضوع دیا، نہ عنوان، نہ مشورہ، نہ نقد و جرح، نہ اعراض بلکہ ہر موقع پر مسرت و خوشی کا اظہار فرماتے اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے اور یہ کیوں نہ ہوتا کہ آپ ﷺ سے محبت تھی۔ سنت پر عمل ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔

ابونعیم کی روایت :

بہرحال یہاں تو اسی قدر نقل ہے۔ وهذا الحديث رواه ابونعيم عن انس ايضاً بلفظ خدمت رسول الله صلى الله عليه وسلم عشر سنين فما سبنى قط و ماضربنى ضربة ولا انتهرنى ولا عبس فى وجهى ولا امرنى بامر فتوانيت فيه فعاتبنى عليه فان عاتبنى احد قال دعوه و لو قدر شئى كان۔ (مواہب ص۲۵۲) (اور یہی حدیث ابونعیم نے حضرت انس ؓ سے ان الفاظ میں ذکر کی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی دس سال تک خدمت کی نہ تو کبھی مجھے آپ ﷺ نے برا بھلا کہا اور نہ کبھی مجھے معمولی طور پر مارا اور نہ مجھے ڈانٹا اور نہ میرے سامنے کوئی تیوری چڑھائی اور نہ مجھے کسی کام میں سستی کرنے پر جھڑکا۔ بلکہ اگر کوئی مجھے عتاب کرتا اور جھڑکتا تو فرماتے بھائی! اس کو جانے دو، کچھ نہ کہو جو مقدر تھا وہ ہو کر رہتا ہے)

رضا بالقضاء :

حضرت انس ؓ ہوں یا آپ ﷺ کے دیگر خدام و محبین اور صحابہ کرام ؓ، آپ ﷺ کا ان کو اُف تک نہ کہنا یہ کمالِ اخلاص اور غایت تواضع کی بنا پر تھا۔ خدام کے افعال، کوتاہیوں اور افراط و تفریط کو ان کا اپنا فعل نہ سمجھتے، بلکہ سب کچھ من جانب اللہ تصور کرتے

تھے اور اسی پر راضی ہوتے تھے ۔ فکان یشهد أن الفعل من اللہ ولا فعل لأنس فی الحقیقة فلا فاعل الا اللہ و الخلق الآن و سائط فالغضب علی المخلوق فی شئی فعله او ترکه ینافی کمال التوحید کما هو مقرر فی علمه من وحدة الافعال۔

(مواہب ص ۲۵۲) (پس آپ ﷺ کی یہ شہادت ہوئی کہ یہ دراصل حضرت انس ؓ کا فعل نہیں ہوا کرتا بلکہ اللہ ہی کی ذات سب کچھ کرتی ہے تو درحقیقت ہر چیز کے فاعل (کرنے والے) اللہ ہی ہیں اور ساری مخلوق صرف وسائط اور ذرائع کے درجہ میں ہے پس مخلوق پر غیظ وغضب کسی ایسے امور میں کہ اس نے ہی اسے کیا ہے یا چھوڑا ہے یہ کمال توحید کے منافی ہوا جیسا کہ علم خداوندی میں افعال کی وحدت مقرر اور ثابت شدہ ہے) جیسا کہ اوپر ابونعیم کی روایت میں تصریح ہے، ولو قدر شئی کان کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے یہاں پر رضا بالقضاء کا دلچسپ مضمون لکھا ہے :

یہ محبوب کے فعل کے ساتھ غایتِ لذت ہے، اور صوفیہ کی اصطلاح میں رضا برقضا کی اصل اور سند ہے۔ رابعہ بصریہؒ کا مشہور مقولہ ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ ! اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے تو میری محبت میں اس سے کچھ اضافہ ہی ہوگا اور کاملینِ صوفیہ کے تمام ہی حالات حضور اقدس ﷺ ہی کے مختلف احوال سے اخذ کیے گئے ہیں، لیکن نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس جامعیت کے کمال پر تھی۔ بعد میں جامعیت کا یہ درجہ نہیں رہ سکا۔ اس لئے حضراتِ صوفیہ کرام میں کسی جگہ حضور ﷺ کی کسی عادت کا ظہور ہوا اور کسی جگہ کسی دوسری حالت کا شیوع ہوا۔ یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ معاملہ اپنی ذات کے متعلق تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی انتقام نہیں لیا۔ البتہ اللہ جل شانہٗ کی کسی حرمت کی ہتک کی جائے (مثلاً کسی حرام چیز کا ارتکاب کیا جائے) تو اس کا بدلہ ضرور لیتے تھے۔ (خصائل ص: ۳۰۴)

و ذکر الشیخ ابراهیم البیجوریؒ ما قال لی لشئی صنعته لم صنعته ولاشئی

ترکه لم ترکته ای لشدة و ثوقه و یقینه بالقضاء و القدر و للملک زاد فی روایة و لکن یقول قدر اللّٰہ وماشاء فعل ولوقدر الله کان ولو قضی لکان ۔(مواہب ص۲۵۲)(شیخ ابراہیم الیجوریؒ نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے خادم حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی کوئی کام کیا ہے تو آپؐ نے مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا ہے اور نہ جب میں نے کوئی کام چھوڑ دیا ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ یہ کیوں چھوڑ دیا (یہ اس لئے) کہ آپ ﷺ قضاوقدر پر پورا یقین اور مکمل اعتماد رکھتے تھے۔اسی لئے تو ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ آپ ﷺ یہ فرمایا کرتے کہ جو اللہ نے مقدر کیا اور وہ جو بھی چاہتا ہے کرتا ہے (یا یہ فرماتے) کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، جو قضا وقدر میں مقدر ہو ویسے ہی ہوجاتا ہے)

سیرت وسوانح کا ایک عظیم باب :

حضرت انسؓ کے چند جملے حضور اقدس ﷺ کی سیرت وسوانح کا ایک عظیم باب ہیں۔آپ کے کریمانہ اخلاق' صبر' حسنِ معاشرت' حلم وعلم' تحمل وبردباری' عفو' چشم پوشی و تسامح' زبان کی عفت وعصمت' خدام پر شفقت وتالیفِ قلوب اور وسعتِ رحمت وعنایت کی ایک خوبصورت منظر کشی ہے۔علامہ بیجوریؒ اسی بات کا اپنے الفاظ میں تذکرہ کررہے ہیں۔

و فی ذلک بیان کمال خلقه و صبره و حسن عشرته و عظیم حلمه و صفحه و ترک العقاب علی مافات و صون اللسان عن الزجر واللم للمخلوقات و تألیف خاطر الخادم بترک معاتبه علی کلا الحالات وهذا کله فی الأمور المتعلقة بحظ الانسان ۔(مواہب ص۲۵۲)

حضرت انسؓ کی عظمت ومقام :

نیز اس سے حضرت انسؓ کی فضیلت وعظمت' خدمت واطاعت اور کمال محبت کا بھی اندازہ لگ جاتا ہے کہ وہ مکمل دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت میں رہ کر کسی بھی خلافِ شرع امر کے مرتکب نہیں ہوئے، کیونکہ خلافِ شرع کام پر آپ ﷺ کا سکوت

ممکن ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ غیر شرعی امور کے ارتکاب میں تسامح نہیں فرماتے بلکہ (آپ ﷺ کی عادت مستمرہ تھی) کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کے محارم (ممنوعات) کی بے حرمتی کی جاتی تو آپ ﷺ کا غیظ وغضب بڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ بیجوریؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فلایتسامح فیه لأنه اذا انتهک شی من محارم اللّٰه اشتد غضبه و هذا یقتضی ان انساً لم ینتهک شیئاً من محارم اللّٰه و لم یرتکب ما یوجب المؤاخذة شرعاً فی مدة خدمته له صلی اللّٰه علیه وسلم ففی ذلک منقبة عظیمة له و فضیلة تامة۔ (مواہب ص ۲۵۳)

اخلاقِ حمیدہ :

وکان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من احسن الناس خلقاً۔ حضور اقدس ﷺ اخلاق کے لحاظ سے تمام لوگوں سے احسن وافضل تھے۔ اس سے قبل آپ ﷺ کے ایسے اخلاقِ حمیدہ کا بیان تھا، جو حضرت انسؓ سے متعلق تھا۔ یہاں آپ ﷺ کے ان اخلاقِ حسنہ کا بیان ہے، جو عام لوگوں کے ساتھ تھے۔ گویا یہ تعمیم بعد تخصیص ہے۔ هذا شانه مع عموم الناس لامع خصوص انس قال تعالیٰ و انک لعلی خلق عظیم و قال ! لو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک (مواہب ص ۲۵۳) (حضور ﷺ کے ایسے حسن اخلاق کا یہ برتاؤ صرف حضرت انسؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ آپ ﷺ تو عام لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں حسن اخلاق کے پیکر تھے اللہ تعالیٰ نے وانک لعلیٰ خلقٍ عظیم (اور تمہارے اخلاق بڑے (عالی) ہیں) میں عالی اخلاق پر ہونے کی سند عطا فرمائی اور فرمایا کہ ''اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے)

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

مبارک ہاتھوں کی ملائمت :

ولا مسست خزا ...... یعنی حضور اقدس ﷺ بلندیٔ اخلاق اور عظمتِ خلق

کی طرح اپنی خِلقت میں بھی انتہائی لطیف اور حسین وجود رکھتے تھے۔ یہ الفاظ اس سے ماقبل بیان کردہ روایت انہ شثن الکف (ای غلظھما) کے منافی نہیں ہے۔ لان المراد انہ کان ناعما غلیظ اللحم والعظم فاجتمع لہ نعومۃ البدن و قوتہ (مناوی ج۲ ص۱۹۲) (اس لئے کہ ان (دونوں روایات کا حاصل)

اور مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کا بدن مبارک نرم وملائم ہونے کے ساتھ (ہڈی اور جوڑوں کی حیثیت سے) انتہائی مضبوط اور طاقتور تھا۔ تو گویا آپ ﷺ میں بدن اور اعضاء کی قوت کے ساتھ ان کے ملائم ہونے کی کیفیت مجتمع تھی)

حدیث مسلسل بالمصافحہ :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا تحریر فرماتے ہیں :

اس حدیث کے اخیر جزء کے متعلق ایک عجیب قصہ ہے، جس سے حضراتِ صحابہ کرامؓ اور محدثین رضی اللہ عنہم اجمعین کی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ غایتِ محبت اور عشق کا پتہ چلتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت انسؓ ایک مرتبہ غایتِ فرحت ولذت کے ساتھ کہنے لگے کہ میں نے اپنے اِن ہاتھوں سے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مصافحہ کیا۔

میں نے کبھی کسی قسم کا حریر یا ریشم حضور اکرم ﷺ کے ہاتھوں سے زیادہ نرم نہیں دیکھا۔ شاگرد نے جس کے سامنے یہ حدیث بیان کی، اسی شوق سے عرض کیا کہ میں بھی ان ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں، جن ہاتھوں نے حضور ﷺ سے مصافحہ کیا۔

اُس کے بعد سے یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ تک یہ سلسلہ جاری ہے اور مصافحہ کی حدیث سے یہ مشہور ہے کہ اس حدیث میں مسلسل مصافحہ ہوتا آیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ مسلسلات میں بھی اس کو ذکر کیا ہے، جس کے ذریعہ سے میرے اُستاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ تک بھی اسی طرح پہنچی ۔ (خصائل ص ۳۰۵)

وجودِ مسعود کی مبارک خوشبو :

و لا شممت مسکاً قط ...... یعنی یہ خوشبو آپ ﷺ کے وجود مبارک کی اپنی خوشبو تھی، کسی عطر یا مشک وغیرہ کی خوشبو نہیں تھے۔ اسحٰق بن راہو یہ فرماتے ہیں " اِنَّ تِلْکَ کَانَتْ رَآئِحَتُہٗ بِلَا طِیْبٍ کہ یہ خوشبو بدون خوشبو لگائے ہوئے کے تھی۔ گویا خود آپ ﷺ کے وجودِ اقدس و مطہر ہی کی تھی، نہ کہ اس پر لگائی ہوئی۔ ریحہ اللذیۃ لا المکتسبۃ (مناوی ج۴ ص۱۹۲) آنحضور ﷺ کا وجودِ مبارک طیّب و مطیب تھا، جس راستے سے آپ ﷺ گذرتے تھے، صحابہ کرامؓ آنجناب ﷺ کی خوشبو پا کر اسی راستے پر جاتے اور آپ ﷺ کو پا لیتے۔ رئیس المحدثین امام بخاریؒ تاریخ کبیر میں حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس راستے پر سے گذرتے اور کوئی شخص آنجناب ﷺ کو تلاش کرتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ ﷺ اس راستہ سے تشریف لے گئے ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مرّ فی طریق من طرق المدینۃ و جدوا منہ رائحۃ الطیب و قالوا مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ھذا الطریق (اخرج البزار و ابویعلی) حضور سیدِ دوعالم ﷺ جب مدینہ منورہ کے بازاروں میں سے کسی بازار میں تشریف لے جاتے، تو صحابہؓ آپ ﷺ کی خوشبو پا کر اسی راستے سے آپ ﷺ کو پا لیتے اور کہتے کہ حضور ﷺ اسی راستے سے گذرے ہیں

ایک بار حضور اقدس ﷺ حضرت انسؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ کو پسینہ آیا فجاءت امہ بقارورۃ تجمع فیھا عرقہ فسألھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک فقالت نجعلہ فی طیبنا و ھو اطیب الطیب۔ تو حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ ایک شیشی لائیں اور اس میں حضور ﷺ کا پسینہ مبارک جمع کرنے لگ گئیں۔ آنحضور ﷺ نے اس پسینہ کے جمع کرنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب میں عرض کیا ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملا دیں گے اور یہ پسینہ مبارک اعلیٰ درجے کی خوشبو ہے

اورایک روایت میں یہ بھی ہے۔ قالت یا رسول اللہ نرجو برکتہ لصبیاننا قال اصبت وروی البخاری نحوہ کہ ام سلیمؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم قوی اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارے بچے اس سے بابرکت ہوجائیں گے۔ شفیقِ اُمت مومنوں پر رؤف ورحیم پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا اے اُم سلیم! تو نے سچ کہا۔

صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں: و فیہ استحباب التبرک والتقرب بآثار الصالحین قیل لما حضر انس بن مالک الوفاۃ اوصی ان یجعل فی جنوبہ من ذالک الطیب یعنی اس سے ثابت ہوا کہ اولیائے کرام کی نشانیوں کا تقرب اور تبرک حاصل کرنا مستحب ہے، کہا گیا ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ اس خوشبو سے مجھے خوشبو لگائی جائے۔

حضور اقدس ﷺ اگر کسی سے مصافحہ کرتے تو تمام دن اس شخص کو اپنے ہاتھ سے حضور ﷺ کے دست ہائے مبارک کو چھونے کی بدولت خوشبو آتی رہتی اور اگر کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ بچہ اس خوشبو کی وجہ سے دوسروں بچوں میں پہچانا جاتا۔ جابر بن سمرہ سے روایت ہے:

قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الاولی ثم خرج الی اھلہ و خرجت معہ فاستقبلہ و لدان فجعل یمسح خدی احدھم واحداً واحداً واما انا فمسح خدی فوجدت لیدہ بردا وریحا کانما اخرجھا من جونۃ عطار (رواہ مسلم) وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ظہر کی نماز حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ادا کی۔ حضور ﷺ اپنے گھر تشریف لے جانے کے لئے مسجد سے نکلے۔ میں بھی آنحضور کے ساتھ چل پڑا۔ پس جو بچے آپ ﷺ کے سامنے سے آتے تو ہر ایک کے رُخسار پر دست شفقت پھیرتے، جب میری باری آئی تو میرے دونوں رخساروں پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا' میں نے حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک کی ٹھنڈک کو پایا اور خوشبو بھی پائی۔ وہ خوشبو ایسی تھی گویا کہ ابھی کسی عطر فروش کے ڈبیہ سے نکلی ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے: عن ابی ھریرۃ قال جاء رجل الی النبی صلی

الله عليه وسلم فقال انى زوجت ابنتى و احب ان تعينني قال ما عندى شئ ولكن ائتني بقارورة واسعة الرأس و عود شجرة فجعل النبى صلى الله عليه وسلم يسلت العرق من ذراعيه حتى امتلئت القارورة قال خذها و امر بنتك ان تغمس هذا العود فى القارورة و تطيب به فكانت اذا تطيبت يشم اهل المدينة رائحة الطيب فسموا بيت المطيبين ۔(اخرج ابويعلى والطبرانى فى الاوسط و ابن عساكر)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آنجناب ﷺ بھی میری امداد فرمادیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں ، مگر ہاں ایک کھلے منہ والی بوتل لاؤ وہ لے آیا تو حضور ﷺ نے اپنے بازوؤں مبارک سے پسینہ مبارک لے کر اس شیشی میں ڈالا اور فرمایا یہ لے جا اور اپنی لڑکی سے کہہ دے کہ اس شیشی سے پسینہ مبارک لے کر بطور خوشبو استعمال کرے۔ چنانچہ جب کبھی وہ اس پسینہ مبارک کو بطور خوشبو استعمال کرتی تو تمام مدینہ منورہ اس خوشبو سے مہک جاتا۔اسی وجہ سے اس گھر کا نام ہی خوشبو لگانے والوں کا گھر پڑ گیا ۔

ابراہیم بن اسماعیل حزنی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے :

انه اردفنى رسول الله صلى الله عليه و سلم فالتقمت خاتم النبوة بفمى فكان شيم على مسكا ۔یہ کہ حضور ﷺ نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کی مہر نبوت کو اپنے منہ کے اندر لے لیا تو اس سے مشک کی مہک اور لپٹ آرہی تھی

(۳۳۲/۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ هُوَ الضَّبِّيُّ وَالْمَعْنٰى وَاحِدٌ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سَلْمِ الْعَلَوِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ عِنْدَهُ رَجُلٌ بِهِ اَثَرُ صُفْرَةٍ قَالَ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَكَادُ يُوَاجِهُ اَحَدًا بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِلْقَوْمِ لَوْ قُلْتُمْ لَهُ

يَدَعُ هٰذِهِ الصُّفْرَةَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید اور احمد بن عبدہ ضبی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو اسے حماد بن زید نے سلم علوی کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا، جس پر زرد رنگ کا کپڑا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ ناگوار بات کو منہ در منہ منع نہ فرماتے تھے۔ اس لئے سکوت فرمایا اور جب وہ شخص چلا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کو زرد کپڑے سے منع کر دیتے تو اچھا ہوتا۔

راوی حدیث (۶۱۳) سلم العلوی " کے حالات " تذکرہ راویان شمائل ترمذی " میں ملاحظہ فرمائیں۔

بہ اثر صفرۃ ...... یعنی اس کے کپڑوں پر زرد رنگ کا نشان تھا۔ اس کے کپڑوں پر ایک قسم کی خوشبو لگی ہوئی تھے، جس میں زرد زعفران کا اثر تھا اور یہ خوشبو عموماً زفاف کے موقع پر استعمال ہوتی ہے۔ ارشاد ہے کہ تم لوگوں کو چاہئے تھا کہ اسے کہتے کہ زردی لگانا چھوڑ دے۔

یعنی حضور ﷺ نے اس وقت موجود صحابہؓ کو ارشاد فرمایا کہ کیا ہی بہتر ہوتا اور اچھا ہوتا کہ تم لوگ اس کو زعفرانی خوشبو کے استعمال کرنے سے منع کر دیتے۔ **ولو هنا شرطية أو للتمني ، والظاهر ان هذ الرجل كان ممن يخشى منه مخالفة النبى صلى الله عليه و سلم فاوعز الى أحد الصحابة أن يكلموه** (اتحافات ص۳۷۲) (اور یہاں لفظ لو شرطیہ ہے یا پھر تمنی کے لئے استعمال ہوا اور حدیث کے مفہوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص سے نبی کریم ﷺ کو اپنی مخالفت کا خوف متصور تھا تو اپنے صحابہؓ میں سے کسی کو اشارۃً فرمایا کہ اس سے اس سلسلہ میں (زعفرانی خوشبو کے استعمال سے منع کرنے میں) گفتگو کر لیں)

ترک مواجہت میں بھی مصلحت تھی :

لایکاد یواجہ ...... حضور ﷺ نے اس کی موجودگی میں کچھ نہیں فرمایا اور اس کے جانے کے بعد یہ تمنا کی۔ اس میں بھی ایک حکمت اور مصلحت تھی۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں، لان مواجھتہ ربما تفضی الی الکفر لان من یکرہ امرہ و یابی امتثالہ عناداً او رغبۃ عنہ یکفر و فیہ مخافۃ نزول العذاب والبلاء ...... ففی ترک المواجھۃ مصلحۃ۔ (مناوی ج۲ص ۱۹۳) (اس لئے کہ اس کو منہ در منہ بات کرنے سے کبھی کفر تک پہنچ جانے کی نوبت ہو سکتی ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کے فرمان مبارک سے ناپسندیدگی کا اظہار اور آپ ﷺ کے حکم کو ضد اور ہٹ دھرمی سے نہ ماننا اور اس سے روگردانی کرنا کفر ہی تو ہے اور اس صورت میں عذاب خداوندی اور مصائب کے نازل ہو جانے کا قوی خطرہ موجود تھا تو اس لئے ترک مواجہت (آمنے سامنے کچھ نہ کہنے) میں بڑی مصلحت پوشیدہ تھی)

سرورِ دو عالم ﷺ کا اس مجلس میں اس شخص کو غایتِ شفقت وحیا کی وجہ سے منع نہ فرمانا۔ یہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ اس قسم کی خوشبو لگانا حرام نہیں ہے، ورنہ حرام کام کرنے کو حضور سرورِ عالم ﷺ کسی وقت بھی برداشت نہیں فرماتے تھے اور اگر کوئی شخص بھی کسی غیر شرعی کام کو کرتا اور آپ ﷺ دیکھ لیتے تو اس وقت آپ ﷺ کا مزاج شریف غصہ کے عالم میں بدل جاتا اور پھر صحابہ کرام اس کیفیت کو دیکھ کر کانپ اُٹھتے۔

یعنی شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اس خوشبو کا استعمال حرام نہیں تھا، اگر حرام ہوتا تو حضور ﷺ اس شخص کے مجلس سے اُٹھ جانے تک کا انتظار نہ فرماتے اور اس کو اس خوشبو کے استعمال کے ترک کرنے کا حکم فرماتے۔

(۳۳۳/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِیِّ وَاسْمُهٗ عَبْدُ بْنُ عَبْدٍ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا وَّ لَا صَخَّابًا فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا یَجْزِیْ بِالسَّیِّئَةِ السَّیِّئَةَ وَلٰکِنْ یَّعْفُوْ وَ یَصْفَحُ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے شعبہ نے ابی اسحٰق کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے اسے ابوعبداللہ جدلی جس کا نام عبد بن عبد تھا سے روایت کیا اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے نقل کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے، نہ بتکلف فحش بات فرماتے تھے، نہ بازاروں میں چلا کر (خلاف وقار) باتیں کرتے تھے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ معاف فرمادیتے تھے اور اس کا ذکر تذکرہ بھی نہ فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۶۱۴) ابی عبداللہ الجدلی" کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں

فاحشاً و متفحشاً کی تشریح:

فاحشاً: جس کے اقوال، افعال، اعمال، صفات میں قباحت، بدخلقی اور بخیلی ہو، و استعماله فی القول اکثر (مناوی ج ۲ ص ۱۹۴) (اور اس کا استعمال قول کی قباحت میں زیادہ ہے متفحشا جو خواہ مخواہ فحش گو بنے، گی بندھی مجلس بنائے" ای متکلفاً للفحش فی ذلک (مناوی ج ۲ ص ۱۹۴) بعض آدمی طبعاً فحش اور بے ہودہ مذاق کے عادی ہوتے ہیں اور بعض لوگ بہ تکلف مجلس کے طرز کو نبھانے کے لئے فحش گوئی کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے دونوں کی نفی کردی۔ بازار میں بھی بہ ضرورت جانے کی ممانعت نہیں، مگر وہاں جا کر شور شغب وقار کے خلاف ہے۔

ملا علی قاریؒ کا ارشاد:

علامہ ملا علی قاریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ والمراد بالفاحش فی الحدیث ذوا لفحش فی کلامه و فعله و المتفحش بتكلف الفحش و يتعمده فنفت عنه صلی الله عليه وسلم الفحش و المتفحش به طبعاً و تكلفاً (جمع ج ۲ ص ۱۹۴) یعنی اس حدیث میں غیر اخلاقی انداز تکلم اختیار کرنے والے کو خواہ وہ طبعاً ہو یا تکلفاً فحش گو کہا گیا ہے اور

متفحش سے بہ تکلف فحش کہنا اور دیدہ دانستہ اس پر عمل پیرا ہونا مراد ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ سے اُم المؤمنینؓ نے فحش اور متفحش ہونے کی نفی فرمادی۔ گویا آپ ﷺ نہ طبعاً اور نہ ہی تکلفاً فحش گو تھے۔

شوروشغب سے مکمل اجتناب :

ولا صخاباً فی الاسواق ...... صخاب شور مچانے اور غل غپاڑہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یعنی بازاروں میں چیختے چلاتے نہ پھرتے تھے، بلکہ پہلی آسمانی کتابوں میں بھی آنحضور ﷺ کی تعریف وتوصیف کے موقع پر یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے۔ کعب احبار نے کہا کہ : **فی التوارة محمد عبدی لیس بفظ ولاغلیظ ولاصخوب فی الاسواق** تورات میں ہے محمد ﷺ میرا بندہ ہے، اکھڑ اور سخت مزاج نہیں ہے، نہ بازار میں چلانے والا اور نہ ہی شور کرنے والا۔

وسائل الوصول میں علامہ یوسف بن اسماعیل نبھانی" ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں : نبی علیہ السلام کبھی کوئی ناشائستہ اور نازیبا بات نہیں کرتے تھے۔ بازاروں میں اُونچی آواز سے بات نہیں کرتے تھے۔ کوئی آپ ﷺ کے ساتھ بُرائی کرتا تو اس کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے۔ اسے معاف کردیتے تھے۔ تورات میں خدا نے آپ ﷺ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ نہ بری شکل والا، نہ سخت مزاج ہے اور نہ بازاروں میں اُونچی آواز سے بولتا ہے برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا، لوگوں کو معاف کردیتا ہے، اس کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ ہے۔ طابہ (مدینہ منورہ) میں ہجرت کرے گا وہ (ﷺ) اور اس کے ساتھی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) تہبند باندھتے ہوں گے اور وضو کرتے ہوں گے (وسائل الوصول)

بُرائی کے بدلے بُرائی نہ کرتے :

ولا یجزی بالسیئة ...... یعنی اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، لیکن درگذر فرماتے اور اعراض فرماتے یعنی اگر آنحضور ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بداخلاقی ،

برائی اور بدی سے پیش آتا تو حضور اقدس رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے انتہائی کریمانہ اور بزرگانہ اخلاق سے بخش دیتے اور معاف فرما دیتے۔ حضور پاک شفیقِ امت رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ہزارہا ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ صاحب روض نظیف فرماتے ہیں: یَعْفُوْ وَیَصْفَحُ عَنْ جَانٍ جَنیٰ کَرَمًا وَیَقْبَلُ الْعُذْرَ عَمَّنْ جَآءَ یَعْتَذِرُ ...... یعنی آپ ﷺ اپنے کرم سے ہر خطاوار کی خطا کو معاف فرما دیتے اور درگذر فرماتے اور جو کوئی عذر کرتا ہوا آتا آپ ﷺ اس کا عذر قبول فرماتے۔

عفو و درگذر:

و لکن یعفو و یصفح: عفو کے معنٰی ترک عقوبۃ المذنب (مجرم کی سزا کو ترک اور معاف کر دینا) اور صفح کا معنٰی اعراض عن تثریب المذنب (مجرم کے جرم و قصور سے اعراض اور روگردانی کرنا) کے ہیں۔ اوالمراد یعفو بباطنہ و یصفح ای یعرض بظاہرہ ...... و ذلک منہ طبعاً وامتثالا لقولہ سبحانہٗ و تعالی فاعف عنہم واصفح و حسبک عفوہ و صفحہ عن اعداءہ الذین حاربوہ و بالغوا فی ایذائہ حتی کسروا رباعیتہ و شجوا وجہہ وما من حلیم الا و قد عرف لہ زلۃ اوھفوۃ تخدش فی کمال حلمہ الاالمصطفٰی فانہ لایزیدہ شدۃ الایذاء لہ والجھل علیہ الاعفوا و صفحاً (مناوی ج۲ ص۱۹۴) (یا یعفو ویصفح کا مطلب یہ کہ آپ اندرونی طور پر معاف کر دیتے اور ظاہری طور اعراض اور چشم پوشی کا معاملہ فرمایا کرتے اور یہ صورتحال آپ ﷺ سے طبعاً اور بطور امتثال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک کے کہ اے حضور! آپ ﷺ ان لوگوں سے صفح اور درگذر فرمایئے۔ آپ ﷺ کے عفو و درگذر فرمانے کے حالات واقعات کے سلسلہ میں یہی کافی وشافی ہے کہ آپ ﷺ نے تو ان دشمنوں سے بھی عفو اور درگذر کرنے کا معاملہ فرمایا۔ جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جنگ وجدل ایذارسانی اور ظلم ڈھانے میں اس حد تک گئے کہ آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا اور اگلے دانت بھی توڑ دیے۔ دنیا میں کوئی بردبار اور حلیم ایسا نہیں کہ اس کی لغزشیں اور ہفوات اس کے حلم و بردباری کے کمال کو مخدوش نہ کریں صرف محمد ﷺ کی ذات اقدس ہی ہے اس پر ایذا اور جہالت کی زیادتی

اس کے تحمل عفو اور درگذر فرمانے کی زیادتی کا سبب بن جاتے ہیں)

بُرائی کا بدلہ برائی سے نہ دینے کے متعلق حضور اکرم ﷺ کی ساری سوانح بھری ہوئی ہے کہ کفار سے کیا کیا اذیتیں نہیں پہنچیں۔ اُحد کی لڑائی میں حضور ﷺ کے ساتھ کیا کیا پیش نہیں آیا اور جب صحابہؓ نے ان حالات سے متاثر ہو کر حضور ﷺ سے بددعا کی درخواست کی تو حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ ! میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ ناواقف ہیں۔ زید بن سعنہ پہلے یہودی تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ نبوت کی علامتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں رہی جس کو میں نے حضور ﷺ سے نہ دیکھ لیا ہو۔ بجز دو علامتوں کے جن کے تجربہ کی اب تک نوبت نہیں آئی۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا۔ اسی قدر آپ کا تحمل زیادہ ہوگا۔ میں ان دونوں کے امتحان کا موقع تلاش کرتا رہا اور آمد و رفت بڑھاتا رہا۔ ایک بار آپ ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ تھے کہ ایک بدوی شخص آیا اور عرض کیا یارسول اللہ ! میری قوم مسلمان ہو چکی ہے اور میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ گے تو بھرپور رزق تم کو ملے گا اور اب حالت یہ ہے کہ قحط پڑ گیا ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ اسلام سے نہ نکل جائیں۔ اگر رائے مبارک ہو، تو آپ کچھ اعانت ان کی فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ایک شخص کی طرف جو غالباً حضرت علیؓ تھے دیکھا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! موجود تو کچھ نہیں رہا۔ زیدؓ جو اس وقت یہودی تھے، اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہنے لگے کہ محمد ﷺ اگر آپ ایسا کرسکیں کہ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں وقتِ معین پر مجھے دیدو تو میں قیمت پیشگی اب دیدوں اور وقتِ معین پر کھجوریں لے لوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو نہیں ہوسکتا ہے۔ البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کرسکتا ہوں میں نے اس کو قبول کرلیا اور میں نے کھجوروں کی قیمت اسی مثقال سونا (ایک مثقال مشہور قول کے موافق ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے) دیدیا۔ آپ ﷺ نے وہ سونا اُس بدوی کے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ انصاف کی رعایت رکھنا اور اس سے ان کی ضرورت پوری کرلو۔

زیدؓ کہتے ہیں کہ جب کھجوروں کی ادائیگی کے وقت میں دو تین دن باقی رہ گئے تھے ،حضورؐ صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ بھی تھے کسی کے جنازے کی نماز سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے قریب تشریف فرما تھے۔ میں آیا اور آپ ﷺ کے کرتے اور چادر کے پلّوں کو پکڑ کر نہایت ترش روئی سے کہا اے محمد ! (ﷺ) آپ میرا قرضہ ادا نہیں کرتے خدا کی قسم ! میں تم سب اولادِ عبدالمطلب کو جانتا ہوں کہ بڑے نادہندہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے غصہ سے مجھے گھورا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن! یہ کیا بک رہا ہے۔ خدا کی قسم ! اگر مجھے (حضور ﷺ) کا ڈر نہ ہوتا تو تیری گردن اُڑا دیتا، لیکن حضور ﷺ نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے تھے اور تبسم کے لہجہ میں عمرؓ سے فرمایا کہ عمر! میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے۔ وہ یہ کہ مجھے حق کے ادا کرنے میں خوبی برتنے کو کہتے اور اس کو مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ کی نصیحت کرتے۔ جاؤ اس کو لے جاؤ اس کا حق ادا کردو اور تم نے جو اس کو ڈانٹا ہے اس کے بدلے میں بیس (۲۰) صاع (تقریباً دو من کھجوریں) اس کے مطالبہ سے زیادہ دیدینا۔ حضرت عمرؓ مجھے لے گئے اور پورا مطالبہ اور بیس صاع یعنی دو من کھجوریں زیادہ دیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضور ﷺ کا یہی حکم ہے۔ زیدؓ نے کہا کہ عمر! تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے کہا میں زید بن سعنہ ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ جو یہود کا بڑا علامہ ہے، میں نے کہا کہ ہاں وہی ہوں انہوں نے فرمایا کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر حضور ﷺ کے ساتھ تم نے یہ کیسا برتاؤ کیا۔ میں نے کہا کہ علامتِ نبوت میں سے دو علامتیں ایسی رہ گئیں تھی، جن کا مجھ کو اب تک تجربہ کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ ان کے ساتھ سخت جہالت کا برتاؤ ان کے حلم کو بڑھائے گا اب دونوں کا بھی امتحان کرلیا، لہٰذا تم کو اپنے اسلام کا گواہ بناتا ہوں اور میرا آدھ مال امتِ محمدیہ پر صدقہ ہے۔ اس کے بعد حضورؐ کی خدمت میں واپس آئے اور اسلام لے آئے۔ اس کے بعد بہت سے غزوات میں شریک ہوئے اور تبوک کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہ۔ (جمع الوسائل)

(۲۳۳/۶) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِهٖ شَیْئًا قَطُّ اِلَّا اَنْ یُّجَاهِدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا ضَرَبَ خَادِمًا وَّلَا امْرَاَةً.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدۃ نے ہشام بن عروۃ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا۔ نہ کبھی کسی خادم کو نہ کسی عورت (بیوی باندی وغیرہ) کو

ماضرب بیدہ ...... سوائے جہاد کے کسی کو بھی اپنے ہاتھ مبارک سے نہیں مارا ۔شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں شیئا سے مراد آدمی ہے کیونکہ بسا اوقات آپ ﷺ نے اپنی سواری کے جانور کو مارا ہے۔ نیز حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ دست بدست لڑائی جنگِ اُحد میں واقع ہوئی تھی اور آنحضورؐ کے ہاتھ مبارک سے اُبی بن خلف مارا گیا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مجاہدہ سے مراد صرف کفار کے ساتھ جنگ کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ عام بھی ہوسکتا ہے۔ نیز حدود و تعزیر بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ہے اور حضور پاک ﷺ نے نہ تو کسی خادم کو نہ ہی بیوی کو کبھی مارا ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایضرب مع وجود اسباب الضرب لأن الحلم کان طبعہ و کظم الغیظ کان سجیتہ ۔(اتحافات ص: ۳۷۳) (نبی کریم ﷺ نے کسی کو بھی مارنے کے اسباب کی موجودگی کے باوجود نہیں مارا کیونکہ تحمل برداشت اور غصہ کو پی لینا آپ ﷺ کی طبیعت اور عادتِ مبارکہ تھی)

شیخ ابنؒ حجر فرماتے ہیں کہ یہ تعمیم بعد تخصیص ہے، چونکہ اکثر انہی دو گروہوں کے ساتھ مار کے واقعات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا ہے اور شمائل کے حاشیہ پر ہے: هذا النفی مندرج تحت نفی العام الاانه خصه بالذکر اهتماما بشانه ووجهه ان ضرب الزوجة و الخادم و ان کان مباحا

لـلادب فترکه افضل ۔ یعنی یہ نفی' نفی عام کے تحت ہے اور خصوصی طور پر ان دو کے ساتھ ذکر ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اگر چہ ادب کے لئے عورت یا خادم کو مارنا بھی مباح ہے، مگر اس کا ترک یعنی نہ مارنا افضل و بہتر ہے۔

البتہ علامہ ملا علی قاریؒ اس پر اضافہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، قـالـوا بـخـلاف الـولـد فـالاولیٰ تأدیبهٔ و الفرق انّ ضربه لمصلحة تعود علیه فلم یندب العفو بـخـلاف ضـربهما فانه لحظ النفس فندب العفو عنهما مخالفة لهوی النفس و کظماً لغیظها (جمع ج ۲ ص ۱۹۵) (فقہاء کرام (بیوی اور خادم کے نہ مارنے کو افضل کہنے کے باوجود) اپنی اولاد کو تادیب کے لئے مارنے کو افضل و بہتر سمجھتے ہیں۔ اور اس میں فرق اس لئے ہے کہ اولاد کو مارنا بوجہ ایسی مصلحت کے ہوتا ہے، جس کا نفع اس کو پہنچتا ہے اس لئے اس کی غلطی سے عفو و درگذر کرنا اچھا نہیں بخلاف بیوی اور خادم کو مارنے کے کہ یہ اپنے نفس کے حظ اور خوش کرنے کے لئے ہوتا ہے تو اپنے نفس کی مخالفت اور غصہ پی لینے کے لئے ان دونوں کو (ان کی غلطی پر) معاف اور درگذر کرنا اچھا اور مستحب ہے)

(۳۳۵/۷) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّیُّ حَدَّثَنَا فُضَیْلُ بْنُ عِیَاضٍ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُنْتَصِرًا مِّنْ مَّظْلِمَةٍ ظُلِمَهَا قَطُّ مَالَمْ یُنْتَهَکْ مِنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰی شَیْءٌ فَاِذَا انْتُهِکَ مِنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰی شَیْءٌ کَانَ مِنْ اَشَدِّهِمْ فِیْ ذٰلِکَ غَضَبًا وَمَا خُیِّرَ بَیْنَ اَمْرَیْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَیْسَرَهُمَا مَالَمْ یَکُنْ مَاْثَمًا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن عبدۃ ضبی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے فضیل بن عیاض نے منصور کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے زہری سے اور انہوں نے عروۃ سے نقل کیا۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی کے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ البتہ اللہ کی حرمتوں میں سے کسی

حرمت کی ہتک ہوتی' تو حضور اکرم ﷺ سے زیادہ غصہ والا کوئی شخص نہیں ہوتا تھا۔

حضور اقدس ﷺ جب کبھی دو امروں میں اختیار دیے جاتے تھے تو ہمیشہ سہل کو اختیار فرماتے، تاوقتیکہ اس میں کسی قسم کی معصیت وغیرہ نہ ہو۔

راوی حدیث (۶۱۵) فضیل بن عیاض ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

ما رایت ...... حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو کبھی بھی نہیں دیکھا کہ اپنی ذات کے لئے کسی شخص کے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ منتصراً ' کا مصدر انتصار ہے' جس کا معنی ہے بدلہ لینا' انتقام لینا' غالب ہونا' مظلمة جو ناحق تجھ سے لیا جائے' اگر لام کے فتح کے ساتھ ہو تو معنی ستم کے ہیں ،وقیل بالکسر والفتح الظلم وھو وضع الشئی فی غیر محله (جمع ج ۲ ص ۱۹۶) (ملا علی قاریؒ مظلمة (بکسر اللام وفتحه) کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ کسی چیز کو بے جا استعمال کرنا یا اپنے مرتبہ سے گھٹانا) ینتھک' انتھاک سے ہے' جس کے معنی ہیں پھاڑنا' کھینچ کر کاٹ ڈالنا' فضیحت ورسوائی کرنا۔

اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لیتے :

یہ آنحضور ﷺ کا کمال اخلاق تھا کہ جس شخص نے بھی آپ ﷺ پر جتنی بھی زیادتی کی' حضور اقدس ﷺ نے اس شخص سے زیادتی کا بدلہ نہیں لیا، بلکہ اسے معاف فرما دیا۔ علامہ یوسف نبھانیؒ تحریر فرماتے ہیں : اگر آپ ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بدسلوکی کرتا تب بھی آپ ﷺ اس کے ساتھ بدسلوکی نہ کرتے' معذرت خواہ کوئی بھی ہوتا، اس کی معذرت قبول کرتے ،کوئی آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتا تو اس سے درگذر کرتے اور فرماتے خدا میرے بھائی موسیٰ پر رحم فرمائے۔ انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں، مگر انہوں نے صبر کیا (وسائل الوصول)

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جنگِ اُحد میں جب عتبہ نے آپ ﷺ پر

پتھر چلایا اور آپ ﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہو گیا اور چہرۂ انور خون آلود ہو گیا تو بعض حاضرین نے عرض کیا کہ اُس موذی کے لئے بددعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ ! میری قوم کو ہدایت فرما یہ ناواقف ہیں۔ ایک بدوی ایک مرتبہ آیا اور حضور ﷺ کی چادر مبارک پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ میرے ان اونٹوں پر غلہ لدوا دو تم اپنے مال میں سے یا اپنے باپ کے مال میں سے نہیں دیتے ہو، گویا بیت المال کا مال ہم ہی لوگوں کا ہے تمہارا نہیں ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک تو اس چادر کھینچنے کا بدلہ نہیں دے گا، میں غلہ نہیں دوں گا۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم ! میں بدلہ نہیں دیتا۔ حضور اکرم ﷺ تبسم فرما رہے تھے اور اس کے اونٹوں پر غلہ لدوا دیا۔ ہم لوگ حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں۔ اتباع کے دعوے دار ہیں، یہاں ذرا سی بات خودداری کے خلاف ہو جاتی ہے، کوئی ذرا سخت لفظ کہہ دے تو وقار کے خلاف بن جاتی ہے۔

اسھل الامرین کو اختیار کرنا :

وما خیر بین امرین ...... حدیث کے اخیر جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جب آپ ﷺ کو بالخصوص امت کے حق میں دو امروں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ امت کے لئے جو سہل ہوتا اس کو اختیار فرماتے اور اسی طرح دنیاوی اُمور میں جہاں دو رائیں ہوتیں، ان میں سے سہل کو اختیار فرماتے، جب تک کہ اس میں کسی قسم کا شرعی نقصان نہ ہو۔ بہت سی احادیث میں مختلف عنوانات سے حضور ﷺ کے ارشادات بھی اس مضمون میں وارد ہوئے ہیں کہ سہولت اختیار نہ کرنا اور خواہ مخواہ اپنے کو مشقتوں میں ڈالنا حضور اکرم ﷺ کو پسند نہ تھا۔ اس سلسلے میں شیخ بیجوریؒ نے دینی اور دنیوی اُمور میں الاخذ بالایسر (آسان صورت پر عمل کرنے کی مختلف مثالوں سے وضاحت کرتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ وفی معنی ذلک الاخذ برخص اللہ تعالٰی و رسولہ و رخص العلماء مالم یتبع ذلک بحیث تنحل ربقۃ التقلید من عنقہ ۔(مواہب ص ۲۵۶) (اور اسی کے حکم میں ہے اللہ تعالیٰ، رسول اور علماء امت کی طرف سے بتلائی گئی رخصتوں

(سہولتوں) پر ایسے انداز اور اس طرح عمل کرنا کہ جس سے دامن تقلید سے خلاصی اختیار نہ کی گئی ہو)

(۳۳۳۶/۸) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِسْتَاْذَنَ رَجُلٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا عِنْدَهٗ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيْرَةِ اَوْ اَخُو الْعَشِيْرَةِ ثُمَّ اَذِنَ لَهٗ فَاَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ اَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهٖ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی عمر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ سفیان نے محمد بن منکدر کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے اسے عروۃ سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے حاضری کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا کیسا بُرا آدمی ہے۔ یہ ارشاد فرمانے کے بعد اس کو حاضری کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس کے اندر آنے پر اس کے ساتھ نہایت نرمی سے باتیں کیں، جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ حضور ! آپ ﷺ نے اُس کے بارے میں حاضر ہونے سے پہلے تو یہ لفظ ارشاد فرمایا تھا، پھر اس قدر نرمی سے اس کے ساتھ کلام فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ ! بدترین لوگوں سے ہے، وہ شخص کہ لوگ اس کی بدکلامی کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیں۔ استاذن رجل ...... بعض نے کہا کہ یہ شخص عیینۃ بن حصن الفزاری تھا۔ بعض نے کہا کہ وہ مخرمہ بن نوفل تھا، ولا یبعد تعدد القضیۃ ولم یکن اسلم حینئذ و ان کان قد اسلم ظاہرا (جمع ج ۲ ص ۱۹۹) (اور یہ کچھ بعید نہیں کہ یہ واقعہ متعدد ہوا ہو اور وہ شخص اس وقت تک (حقیقی) مسلمان نہیں تھا اگرچہ ظاہری طور پر اسلام لایا تھا)

"رجل" کون تھا :

بئس ابن العشیرۃ او اخو العشیرۃ ...... یہ راوی کا شک ہے کہ ابن فرمایا اخ

فرمایا العشیرہ قبیلہ کو کہتے ہیں۔ گویا یہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے۔ کہتے ہیں یہ دل سے اُس وقت تک مسلمان بھی نہ ہوا تھا بلکہ نفاق کے طور پر بظاہر مسلمان تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا معاملہ اُس وقت تک منافقین کے ساتھ مسلمانوں ہی جیسا تھا۔ اس لئے اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ تھا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب ارتداد کا زور ہوا تو یہ مرتد ہو گیا تھا، تو اس نے یہ جواب دیا تھا کہ میں مسلمان ہی کب ہوا تھا جو مرتد ہوتا، لیکن اس کے بعد یہ مسلمان ہوئے اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جہاد میں بھی شریک ہوئے۔

دفع مضرت کے لئے برائی بیان کرنا غیبت نہیں ہے :

حضور اقدس ﷺ نے اسی لئے اُس کے آنے سے قبل اس کی حالت پر تنبیہ فرمادی اور چونکہ یہ بہ نیتِ اصلاح اور دوسروں کو مضرت سے بچانے کے لئے تھی۔ اس لئے یہ کلام شرعاً غیبت کی حدود میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی شخص کی برائی کو اس وجہ سے ظاہر کرنا کہ لوگ اس کی برائی کا شکار نہ بن جائیں اور کسی نقصان میں نہ پھنس جائیں، غیبت کی ممانعت میں داخل نہیں ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص علی الاعلان فاسق تھا اور جو کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو۔ اُس کی غیبت جائز ہے۔ اس کے حاضر ہونے پر اُس کے ساتھ نرم کلامی اس کی تالیفِ قلب اور اس کے مانوس کرنے کے لئے فرمائی۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصی عادت شریفہ تھی۔ نیز حضور اقدس ﷺ کی عادتِ شریفہ سب ہی کے ساتھ نرم کلامی کی تھی اور اسی وجہ سے اس کے آنے سے پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو اس پر متنبہ بھی کر دیا تا کہ حضور اکرم ﷺ کے اس طرز کی وجہ سے اس کو مخلص نہ سمجھیں۔ وہ کچھ بھلا آدمی نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ کے اس طرزِ معاشرت کی وجہ سے اس کو مخلص اور خیر خواہ سمجھیں اور اس دھوکہ کی وجہ سے کسی مضرت میں پڑ جائیں یا کوئی راز کی بات اس کے سامنے کہہ دیں کہ ایسے منافق لوگ خصوصیات جتانے کے لئے ایسے ہی ہی خصوصی اور اہم تذکرے چھیڑا کرتے ہیں۔ (خصائل ص:۳۱۲)

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں کہ ولیس ذلک غیبة بل هو من النصیحة و الشفقة علی الامة لیعرف حال المقول علیه علی ان عیینة کان اذ ذاک متزلزل

الایمان مضمر النفاق بدلیل انه اظهر الردة بعد المصطفیٰ صلی الله علیه وسلم و جنی به ابی بکرؓ اسیراً فکان الصبیان یصیحون به فی ازقة المدینة هذا الذی خرج من الدین فیقول عمکم لم یدخل حتی خرج فکان ذلک القول من المصطفیٰ صلی الله علیه وسلم علما من اعلام النبوة ومعجزة له لاخباره بغیب وقع۔(مناوی ج۲ص۱۹۹)
اور یہ امر آپ ﷺ کا اپنی امت کے حق میں غیبت کا مقام نہیں رکھتا، بلکہ اس میں امت کے واسطے نصیحت اور شفقت کا مواد موجود ہے اور اس کا اظہار اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس قسم کے حال وقال رکھنے والے شخص کی غیر موجودگی میں اس کی صحیح پہچان ہو جائے کہ اس کا ایمان ڈانواڈول اور اس کے دل میں نفاق کے جراثیم موجود ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص کا ارتداد نبی کریم ﷺ کے بعد ظاہر ہو گیا اور وہ لایا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق کے سامنے قیدی کی حیثیت سے' جبکہ بچے اس پر پھبتیاں کس رہے تھے کہ یہ وہ شخص ہے' جو دین سے نکل گیا ہے، وہ کہتا کہ تمہارا چچا داخلِ اسلام کب ہوا تھا۔پس آپ ﷺ کا یہ ارشاد آپ ﷺ کی نبوت صادقہ کی واضح علامات میں ایک علامت اور معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ جس بات کی آپ ﷺ نے پیشگی خبر دی تھی، وہ ویسے ہی واقع پذیر ہوئی۔

فقہاءؒ کہتے ہیں کہ علی الاعلان فسق کرنے والے (فاسق معلن) کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں' حدیث میں ہے فاجر کے عیب بیان کرو کہ لوگ اس سے اجتناب کریں۔ حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ تین شخصوں کی حرمت نہیں، ایک صاحب ہوئی' دوسرا فاسق معلن' تیسرا ظالم بادشاہ یعنی ان کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں۔

اِن مِن شر الناس ...... اخیر جملہ میں حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد بد ترین شخص کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ اس کا تعلق آنے والے سے ہو۔یعنی اس کی فحش گوئی سے بچنے کے لئے اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا کہ یہ فحش گو ہے یا اس کا تعلق حضور اکرم ﷺ کی ذات سے ہے۔یعنی مجھے فحش گو تو نے کب دیکھا تھا کہ اس کی منتظر تھی۔

وہ برا شخص ہے، جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اُس کے پاس آنا چھوڑ دیں۔ میں

اگر ایسی گفتگو کروں تو لوگ میرے پاس بھی آمد و رفت چھوڑ دیں۔ جس سے اگر چہ نقصان ہے، مگر حضور اکرمؐ ان کا نقصان کب گوارا فرما سکتے ہیں۔

مدارات اور مداہنت کا فرق :

فقہاءِ کرامؒ نے جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ فاسق معلن کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں ، وہاں یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس کے شر سے بچنے کے لئے اتنی مدارات جائز ہے، جو مداہنت فی الدین کے درجہ کو نہ پہنچے۔ ملا علی قاریؒ نے مداہنت اور مدارات کا فرق یوں بیان کیا ہے۔ والفرق بین المداراۃ و المداھنۃ ان المداراۃ بذل الدنیا لصلاح الدنیا او الدین او ھما معا و ھی مباحۃ و ربما تکون مستحسنۃ والمداھنۃ بذل الدین لصلاح الدنیا (جمع ج ۲ ص ۲۰۱) (مداہنت اور مدارات کا فرق اور امتیاز یہ ہے کہ مدارات میں دنیا کو یا تو صرف دنیا کی بھلائی و درستگی کے لئے خرچ و قربان کرنا یا پھر صرف دین کی بھلائی کے لئے اور یا دین و دنیا دونوں کی بھلائی کے لئے قربان کر دینا اور یہ (شرعا) مباح بلکہ بعض اوقات مستحسن اور مستحب ہے اور مداہنت کا معنٰی دین کو دنیا کی بھلائی اور درستگی کے لئے قربان کر دینا ہے)

اُصول جرح و تعدیل :

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہٗ فرماتے ہیں :

اس حدیث سے جرح کا اُصول بھی ثابت ہوتا ہے۔ گویا راویانِ حدیث کے عیوب کو ظاہر کرنا اچھی بات ہے تا کہ عام لوگ ان عیوب سے واقف ہو کر غلط روایات کو بنیاد بنانے سے بچ جائیں۔ اسی طرح محدثین کرامؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق روایت سے اُصولِ تعدیل ثابت کرتے ہیں۔ اِنَّ عَبْدَ اللّٰہِ رَجُلٌ صَالِحٌ لَوْ کَانَ یُصَلِّیْ بِاللَّیْلِ یعنی عبداللہ بن عمرؓ اچھا آدمی ہے اگر رات کے وقت نماز ادا کرتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ رات کی نماز (تہجد) میں قدرے سستی کرتے تھے، مگر جب حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو پھر زیادہ مستعد ہو گئے اور رات کا زیادہ حصہ نماز میں

گزارنے لگے۔

الغرض! حدیث کے باب میں اُصول جرح اور تعدیل ایسی ہی روایات سے اخذ کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدثینؒ جب کسی راوی کی چھان بین کرتے ہیں کہ فلاں شخص دروغ گو تھا، یا اس کو نسیان کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح تعدیل کے ضمن میں کہتے ہیں کہ فلاں راوی ثقةٌ، ثبتٌ یا عالمٌ وغیرہ کہتے ہیں۔

(۳۳۷/۹) حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ وَکِیْعٍ حَدَّثَنَا جُمَیْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِیّ حَدَّثَنِیْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ مِّنْ وُلْدِ اَبِیْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِیْجَةَ یُکْنٰی اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِیْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ سَاَلْتُ اَبِیْ عَنْ سِیْرَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ جُلَسَائِهٖ فَقَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَائِمَ الْبِشْرِ سَهْلَ الْخُلُقِ لَیِّنَ الْجَانِبِ لَیْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِیْظٍ وَّلَا صَخَّابٍ وَّلَا فَحَّاشٍ وَّلَا عَیَّابٍ وَّلَا مُشَّاحٍ یَّتَغَافَلُ عَمَّا لَا یَشْتَهِیْ وَلَا یُؤْیِسُ مِنْهُ وَلَا یُجِیْبُ فِیْهِ قَدْ تَرَکَ نَفْسَهٗ مِنْ ثَلَاثٍ اَلْمِرَآءِ وَالْاِکْبَارِ وَمَا لَا یَعْنِیْهِ وَ تَرَکَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ کَانَ لَا یَذُمُّ اَحَدًا وَّلَا یُعِیْبُهٗ وَلَا یَطْلُبُ عَوْرَتَهٗ وَ لَا یَتَکَلَّمُ اِلَّا فِیْمَا رَجَا ثَوَابَهٗ وَاِذَا تَکَلَّمَ اَطْرَقَ جُلَسَاؤُهٗ کَاَنَّمَا عَلٰی رُؤُوْسِهِمُ الطَّیْرُ فَاِذَا سَکَتَ تَکَلَّمُوْا لَا یَتَنَازَعُوْنَ عِنْدَهُ الْحَدِیْثَ وَ مَنْ تَکَلَّمَ عِنْدَهٗ اَنْصَتُوْا لَهٗ حَتّٰی یَفْرُغَ حَدِیْثُهُمْ عِنْدَهٗ حَدِیْثُ اَوَّلِهِمْ یَضْحَکُ مِمَّا یَضْحَکُوْنَ مِنْهُ وَ یَتَعَجَّبُ مِمَّا یَتَعَجَّبُوْنَ وَ یَصْبِرُ لِلْغَرِیْبِ عَلَی الْجَفْوَةِ فِیْ مَنْطِقِهٖ وَ مَسْئَلَتِهٖ حَتّٰی اِنْ کَانَ اَصْحَابُهٗ لَیَسْتَجْلِبُوْنَهُمْ وَ یَقُوْلُ اِذَا رَاَیْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ یَطْلُبُهَا فَاَرْفِدُوْهُ وَلَا یَقْبَلُ الثَّنَآءَ اِلَّا مِنْ مُّکَافِئٍ وَّلَا یَقْطَعُ عَلٰی اَحَدٍ حَدِیْثَهٗ حَتّٰی یَجُوْزَ فَیَقْطَعُهٗ بِنَهْیٍ اَوْ قِیَامٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن وکیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا بنی تمیم کے ایک شخص نے جو حضرت خدیجہؓ کے خاوند ابی ہالہ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت

ابوعبداللہ تھی۔ وہ حضرت حسن بن علیؓ سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ (ان کے چھوٹے بھائی) حسین بن علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے باپ سے حضور رسول کریم ﷺ کے متعلق پوچھا کہ آنحضور ﷺ کا طور وطریقہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کیسا تھا، تو انہوں نے فرمایا، ہر وقت ہنس مکھ ہوتے، نرم اخلاق والے تھے، نرم طبیعت تھے، نہ تو سخت کلام اور نہ ہی تند خو تھے، نہ تو چلّانے والے اور نہ ہی فحش گو تھے، نہ کسی کے عیب بیان کرنے والے، جو چیز پسند نہ فرماتے، اس سے تغافل برتتے اور اسے ناامید بھی نہ فرماتے اور اس کا جواب نہ دیتے۔ تین باتوں سے اپنے آپؐ کو بالکل محفوظ کر رکھا تھا، جھگڑے سے، تکبر سے اور لایعنی باتوں سے اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا، نہ کسی کی مذمت کرتے تھے، نہ ہی کسی کا عیب بیان کرتے تھے اور نہ ہی کسی ایسی چیز کی جستجو کرتے تھے کہ جس کے واقع ہونے سے عار آتی ہو۔ آپ ﷺ گفتگو نہیں فرماتے تھے، مگر وہی جس سے ثواب کی اُمید ہوتی ہو، اور جس وقت آنحضور ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے ہم مجلس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نہایت ہی خاموش آنکھیں نیچے کئے بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، پھر جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے تو آپ ﷺ کے ہم مجلسؓ گفتگو کرتے اور آنحضور ﷺ کی موجودگی میں اپنی باتوں میں کسی قسم کا جھگڑا نہ کرتے اور جو شخص آپ ﷺ کی خدمت بابرکت میں عرض معروض کرتا، باقی سب کے سب خاموش رہتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی گفتگو سے فارغ ہو جاتا۔ ان حضرات کی بات حضور اکرم ﷺ کے حضور مبارک میں ایسی ہوتی، جیسے ان میں سے پہلے شخص کی بات، جس بات سے سب حضرات ہنستے۔ آپ ﷺ بھی تبسم فرماتے اور جس سے سب تعجب فرماتے، آپ بھی تعجب فرماتے اور آپ ﷺ اجنبی یا مسافر کی سخت گفتگو اور بے ادبی کے پوچھنے پر صبر کرتے تا آنکہ حضور ﷺ کے صحابہؓ مسافروں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لے آتے اور حضور پاک ﷺ یہ بھی ہدایت فرماتے کہ جب کسی ضرورت مند کو دیکھو کہ وہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کی امداد کرو۔

آپ ﷺ اس شخص کی تعریف کرنا منظور فرماتے، جو حد سے تجاوز نہ کرتا، کسی

ایک کی گفتگو منقطع نہیں فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ حد سے نہ بڑھ جاتا، پس اسے منع فرما کر بات ختم فرما دیتے یا اُٹھ کر چلے جاتے۔

یہ حدیث اسی طویل حدیث کا ایک حصہ ہے جو آپ ﷺ کی تواضع کے باب میں ساتویں نمبر میں گذر چکی ہے۔

جمالِ محمدؐ کا حسین منظر :

کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱) دائم البشر یعنی چہرۂ انور پر بشاشت، خندہ روئی، نورانیت اور تبسم رہتا تھا۔ و ھو طلاقة الوجه والبشاشه و حسن الخلق مع الخلق و فی التعبیر بکان و دوام البشر اشعار بان حسن خلقه کان عاما غیر خاص بجلسائه و فیه ایماء بانه کان رحمة للعالمین (جمع ج۲ص۲۰۱) (علامہ ملا علی قاریؒ دائم البشر کی تشریح میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ہشاش بشاش اور خندہ رو ہوتا تھا اور مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے تھے اور لفظ کان اور دائم البشر سے تعبیر کرنے میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کا حسنِ اخلاق کا یہ برتاؤ صرف اپنے ہم نشینوں سے مخصوص نہ تھا بلکہ سب کے لئے عام تھا اور اس میں اشارہ ہوا کہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس واقعی رحمت للعالمین تھی) ترش روئی اور اغماض نام کے چیز نہ ہوتی تھی۔ یہ متواصل الاحزان کے منافی نہیں ہے۔ لان حزنه بسبب اهوال الآخرة اما بالنسبة لامور الدنیا فکان دائم البشر (مناوی ج۲ص۲۰۱) (اس لئے کہ آپ ﷺ کی غمگینی اور متفکر ہونا تو قیامت کے دہشت ناک مناظر ہی کی وجہ سے ہوتا تھا اور دنیوی امور کی نسبت تو آپ ﷺ کے چہرہ انور پر ہمیشہ بشاشت خندہ روئی ہوا کرتی تھی)

(۲) سهل الخلق آپ نرم مزاج تھے، اخلاق میں حد درجہ تواضع وانکسار اور ملائمت تھی۔ سختی درشتی، تندخوئی اور تلخ گوئی نہیں کرتے تھے۔ ای لیس بصعبه و لا خشنه۔

(اتحافات ص ۳۷۵)

(۳) لین الجانب یعنی انتہائی نرم خو، خوش لہجہ، نرم طبیعت، حلیم اور بردبار تھے۔ درشتی اور سختی نام کی چیز سے ناآشنا تھے۔ علامہ بیجوریؒ بھی لین الجانب کی یہی تشریح کر رہے ہیں

ای سریع العطف کثیر اللطف جمیل الصفح مع السکون والوقار والخشوع والخضوع وعلم الخلاف۔(مواہب ص۲۵۸)

(۴) لیس بفظ ولا غلیظ 'فظ' کا معنی سخت کلام' بدخلق' غلیظ کا معنی تندخو' ای یحمل احدھما علی فظاظة اللسان والآخر علی فظاظة القلب۔(جمع ج۲ ص۲۰۱)(ان میں سے ایک کو تو زبان کی بدگوئی پر اور دوسرے کو سخت دلی پر محمول کیا جائے گا)

آپ کی یہی صفت قرآن مجید نے بھی بیان کی ہے۔وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔(آل عمران:۱۵۹) اگر آپ اکھڑ طبیعت اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ ای لیس فیہ جفاء ولا غلظة۔ (اتحافات ص۳۷۶)(یعنی آپ ﷺ میں اکھڑ پن اور سخت دلی نہیں تھی)

(۵) ولا صخاب ولا فحاش 'نہ تو آپ چیخ کر چلا کر بات کرنے اور شور وشر کرنے والے تھے اور نہ فحش سے آشنا تھے اور نہ فحش گوئی کرتے تھے۔ لیس کثیر الصخب ای الصیاح ولایعرف الفحش ولایقع منہ۔(اتحافات ص۳۷۶)

(۶) ولا عیاب ولا مشاح ای لایعیب غیرہ ابدا ۔(اتحافات ص۳۷۶) یعنی نہ تو کسی دوسرے شخص کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی دوسرے کے عیوب تلاش کئے جائیں، ولا عاب طعاماً قط ۔(اتحافات ص۳۷۶) حتی کہ کھانے میں بھی عیب گوئی اور اعتراض نہیں کرتے تھے کہ یہ بدمزہ ہے یا پھیکا ہے یا تلخ ہے یا بدبودار بلکہ اچھا معلوم ہوا تو نوش فرمالیا، ورنہ چھوڑ دیا نہ کھایا۔ مشاح کا معنی زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والا زیادہ مذاق کرنے والا اور بخل کرنے والا' حضور اقدس ﷺ ان تینوں عیوب اور نقائص سے مبرا تھے، نہ تو کسی کے جائز حق کی ادائیگی میں بخل کرتے تھے، صاف گو تھے اور حقدار کو اس کا حق دلانے میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔

(۷) یتغافل عما لا یشتھی 'جس چیز کو آپ مستحسن نہ سمجھتے' پسند نہ فرماتے، گو وہ حرام اور ناجائز نہ ہوتی، مگر آپ کو مرغوب بھی نہ ہوتی۔ تو آپ ﷺ اس کے ذکر اور اس کے سننے سے تغافل برتتے تھے۔ گویا سنی ان سنی کر دیتے تھے۔ غیر ضروری چیز کے لئے

فکر مندی بے معنیٰ ہے۔ای یظهر الغفلة والاعراض عما لایستحسنه من الاقوال والافعال تلطفاً باصحابه و رفقاً بهم ۔(مواہب ص ۲۵۸) (یعنی جو اقوال وافعال ناپسندیدہ اور غیر ضروری ہوا کرتے اپنے اصحاب کے تلطف اور آسانی کے پیش نظر ان سے اعراض وروگردانی اختیار فرما دیتے)

(۸) و لا یؤنس منه ' دوسرے کی خواہش اور مطلوب ومحبوب اگر آپ کو مرغوب نہ ہوتا، تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے۔اس کو حصول واستعمال کی اجازت دیتے تھے۔

علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں ای لایجعل غیره آئسا مما لایشتهیه ولایقطع رجاءه منه (مواہب ص ۲۵۸) ولایجیب فیه 'یہاں بھی فیہ کی ضمیر ' ما لا یشتھی کو راجع ہے، یعنی آپ ﷺ اپنی ناپسندیدہ اور نامرغوب چیز اگرچہ دوسرے کے لئے منع نہ فرماتے تھے، مگر اس کا وعدہ بھی نہیں کرتے تھے ، بلکہ خاموش رہ جاتے ، بل یسکت عنه عفواً و تکرماً ، بلکہ از روئے عفو وکرم خاموشی بھی اختیار فرما لیتے تھے۔یا نرم اور میٹھے اور مناسب انداز سے بات ٹال دیا کرتے تھے۔

(۹) و قد ترک نفسه من ثلاث 'حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کو تین چیزوں سے روک رکھا تھا۔ ای منعها من خصال مذمومة ۔(مواہب ص ۲۵۸) یعنی آپ ﷺ نے خود کو تین مذموم خصلتوں سے مجتنب رکھا تھا۔(۱) ان میں پہلی خصلت المراء یعنی جھگڑنا اور الجھنا ای الجدال ولو بحق لحدیث من ترک المراء وهو محق بنی الله له بیتاً فی ربض الجنة ۔(جمع ج ۲ ص ۲۰۲) (اگرچہ وہ الجھنا ٹھیک بھی ہوتا کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے باوجود حق پر ہونے کے (اپنے مدمقابل سے) جھگڑنا لڑنا چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ وسط جنت میں اس کے لئے عالی شان محل بنا دیں گے) بات بات پر الجھنا اور جھگڑنا منافقین کی خصلت ہے۔قرآن میں بھی اس کی مذمت ہے۔وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (البقرة:۲۰۴) یعنی منافقین سخت جھگڑالو ہوتے ہیں۔(۲) والاکبار 'یعنی خود کو بڑائی، تکبر، رعونت کی صفت مذموم سے بچائے رکھتے تھے ، ہمیشہ تواضع وانکساری اور فروتنی کا اظہار فرماتے تھے۔ ای من استعظام نفسه فی الجلوس و المشی وامثال ذلک فی

معاشرته مع الناس ۔(جمع ج ۲ص ۲۰۴)(یعنی لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے وغیرہ کے برتاؤ میں اپنے آپ کو بڑائی، تکبر اور دیگر صفاتِ مذمومہ سے بچائے رکھا کرتے)اور حدیث میں انا سید ولدِ آدم کا ارشاد اس کے منافی نہیں، کیونکہ یہ ارشاد مبارک تحدیثاً بنعمة المولیٰ (اپنے رب کی نعمت کے بیان واظہار) کے لئے کہا گیا ہے۔ لاافتخاراً ولا استعظاما بمقتضی الھویٰ ۔(جمع ج ۲ص ۲۰۴) خواہش نفسی 'عجب وخود پسندی بڑائی کے اظہار اور فخر وغرور کی بنا پر نہیں کہا گیا۔ بعض روایات میں اکبار کی جگہ اکثار کا لفظ منقول ہے۔ ای من الکلام والمال (اتحافات ص ۳۷۶)(یعنی آپ ﷺ مال اور گفتگو میں خود کو بڑا نہ بتلاتے)

(۳) وما لایعنیه 'یعنی حضور اقدس ﷺ ہمیشہ با معنیٰ' با مقصد اور بہ قدرِ ضرورت کام اور بات کرتے تھے۔ لغویات اور لایعنی اور بے مقصد امور سے اجتناب فرماتے تھے۔ قرآن میں بھی مؤمنین کی صفت میں یہی نقل ہوا ہے کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۔(المؤمنون:۳)(جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں) آپ کا ارشاد مبارک ہے ...... من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه (مواہب ص ۲۵۹)(انسان کے اسلام کی خوبی فضولیات اور لایعنی چیزوں کا چھوڑ دینا ہے)

(۱۰) وترک الناس من ثلث 'تین اُمور ایسے تھے، جن میں اشتغال سے آپ نے عام لوگوں کو بھی روک رکھا تھا۔ (۱) کان لایذم احداً 'یعنی کسی کی نہ تو اس طرح منہ سامنے مذمت کرتے تھے اور نہ پیٹھ پیچھے ای مواجهة ولا غیر مواجهة (۲) ولا یعیبه ای فی الغیبة 'یعنی نہ کسی کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی کے عیب تلاش کریں اور پھر اس کی تشہیر کریں۔ علامہ ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں: ای لایذم فی الامور الاختیاریة المباحة و لایعیب فی الاطوار الخلقیة الجبلیة کالطول و القصر و السواد وامثالها ۔(جمع ج ۲ص ۲۰۴)(نہ تو آپ ﷺ مباح امور اختیاریہ میں کسی کی مذمت اور برائی کرتے اور نہ فطری اور خلقی حالات وہیئات جیسے کسی کا طویل یا کوتاہ ہونا یا کالا، گورا ہونا یا اس جیسے دوسرے امور کی عیب جوئی فرمایا کرتے)اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ

ایک دوسری روایت میں " ولا یعیرہ " نقل ہوا ہے، من التعییر وھو التوبیخ (جمع ج ۲ ص ۲۰۴) (اور نہ کسی کو عار اور ڈانٹا کرتے) و لا یطلب عورتہ یعنی آپ ﷺ کسی کی پردہ دری نہیں کرتے تھے۔

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ای عورۃ احد وھی مایستحی منہ اذا ظھر فالمعنیٰ لا یظھر ما یرید الشخص سترہ و یخفیہ الناس عن الغیر ۔(جمع ج ۲ ص ۲۰۴) (کسی شخص کا پردہ وہ ہوتا ہے کہ اگر وہ ظاہر ہو جائے تو اسے حیا آئے یعنی آپ ﷺ نہ ظاہر فرماتے وہ عیوب جو کوئی شخص اسے دوسروں سے چھپانا چاہتا یا جسے لوگ دوسروں سے چھپانا چاہتے ہیں) شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں، و فیہ تنبیہ علی ان من داب اھل کمال ان لا یصرحوا بمعایب ارباب النقصان ولا یتجسسوا علی الوقوف علی فجور ارباب الذنوب ۔(مناوی ج ۲ ص ۲۰۴) (اور اس میں تنبیہ ہے کہ کامل لوگوں کا یہ وتیرہ ہے کہ وہ (ظاہر یا اخلاقی لحاظ سے) ناقص اور کمزور لوگوں کے عیوب ظاہر نہیں کرتے اور نہ وہ اہل معصیت کے گناہ اور غلطیوں کے خبر گیری کے لئے جاسوسی کیا کرتے ہیں)

دو عبارتوں کا فرق :

علامہ مناویؒ حدیث شریف کے اس جملہ و ترک الناس من ثلاث اور پہلے جملہ قد ترک نفسہ من ثلاث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں، خصّھم لان القصد بھذہ الثلاث رعایتھم کما ان القصد بالثلاثۃ الاول رعایۃ نفسہ فلذلک لم یقل ترک نفسہ من ستۃ ولم یعدّھا مما ترک نفسہ منھا فسقط قول البعض الاعیان لافرق بینھما یقتضی تفاوت البیان (مناوی ج ۲ ص ۲۰۴) (آپ ﷺ نے ترک الناس من ثلاث (تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا) میں لوگوں کو اس لئے مخصوص فرمادیا کہ دراصل ان تین امور میں ان لوگوں کے (حقوق) کی رعایت اور نگہداشت ہی مقصود اور مدنظر تھی جیسے کہ پہلے تین امور میں اپنے نفس کی نگہداشت وحفاظت کو ملحوظ رکھا گیا اور اسی نقطہ کے پیش نظر یہ نہ فرمایا کہ اپنے آپ کو چھ چیزوں سے محفوظ رکھا اور ان تین امور کو اپنے نفس کے متروکات میں سے نہیں شمار کیا گیا۔ تو اس بیانِ فرق سے بعض قابل قدر شخصیات کا یہ کہنا بجا

نہیں کہ ان کے درمیان کوئی قابل بیان فرق نہیں ہے)

(۱۱) لا یتکلم الا فیما رجا ثوابه' آپ ﷺ صرف وہی گفتگو فرماتے تھے، جو باعث اجر وثواب ہوتی تھی' یعنی گفتگو مبارک' با مقصد' نافع اور مطلوب چیز میں ہوا کرتی تھی ای فی الشئی النافع المطلوب (اتحافات ص ۳۷۶) گویا آپ ﷺ کی کوئی بات' کوئی فعل اور کوئی اقدام ایسا نہ ہوتا تھا، جس پر اجر وثواب متوقع نہ ہوتا۔

(۱۲) واذا تکلم اطرق ...... اور جس وقت آپ ﷺ گفتگو فرماتے، تو حاضرین مجلس نہایت ہی خاموش آنکھیں نیچے کئے ہوئے بیٹھتے، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، جو ذرا سی حرکت' بے خیالی اور بے جا ہلنے سے اڑ جائیں گے۔ ای ارخوا رؤسهم الی الارض و نظروا الیها و اصغوا الیه لاستماع کلامه و لسرورهم و ارتیاح ارواحهم بحلیته (مواہب ص ۲۵۹) (یعنی اپنے سروں کو جھکائے اور نظریں نیچے زمین کی طرف کئے ہوئے آپ ﷺ کے کلام کے سننے اور اس پر انتہائی خوش ہونے اور دل وجان کو تسکین وراحت پہنچانے کے لئے پوری توجہ اور کان لگا کر سنا کرتے تھے) والطیر لایقع الا علی ساکن ساکت قال ......

اذا حلت بنولیث عکاظا
رأیت علی رؤسهم الغرابا

(مناوی ج ۲ ص ۲۰۵)

(علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ پرندے تو ساکن ساکت (خاموش غیر متحرک) پر ہی بیٹھا کرتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ جب بنولیث عکاظ (عرب کا مشہور بازار میلہ) وارد ہوتے ہیں توان کے سروں پر (بوجہ خاموشی وسنجیدگی) گویا کہ کوے بیٹھے ہیں)

اطرق' اطراق سے ہے، خاموش ہونے' چپ رہنے' نگاہ جھکا کر زمین کی طرف دیکھنے کو کہتے ہیں، الاطراق ان یقبل ببصره الی صدره و یسکت ساکتا' (نہایہ) (اطراق کا معنی کہ پوری خاموشی کے ساتھ نظریں جھکائے دل کی طرف متوجہ ہونا) و کقولهم اطرق کرا اطرق کرا ان النعامة فی القری (کافیہ ص ۳۶) (اطراق کا معنی سر کو

جھکانا۔ خاموش ہونا کلام عرب میں مستعمل ہے چنانچہ علامہ ابن حاجبؒ نے بحث منادیٰ میں اطرق کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ عرب لوگ کروان پرندے کو شکار کرنے کے لئے ایک منتر پڑھتے تھے۔ اطرق کرا اطرق کرا ان النعامة فی القریٰ کہ اے کرا گردن خم کردے۔ اے کرا گردن خم (نیچے) کردے۔ بے شک شتر مرغ بستیوں میں (گرفتار کرکے پہنچایا جاچکا) ہے)

گویا صحابہ کرامؓ اور حاضرین مجلس آپ ﷺ کی صحبتِ مبارکہ میں ہمہ تن متوجہ رہ کر آپؐ کی نظرِ فیض آثار اور توجہات عظیمہ وعنایات رفیعہ سے مستفید ہوتے رہتے۔ حضور اقدسؐ کے علوم ومعارف' افادات ونصائح' ارشادات وہدایات اور انوار وتجلیات سے اپنے سینوں کو منور کرتے رہتے۔

فاذا سکت تکلموا ...... جب حضور اقدس ﷺ خاموش ہوجاتے، تب صحابہ کرامؓ حسب ضرورت باہم گفتگو کرتے، فیہ ایماء الی انهم لم یکونوا یبتدؤن بالکلام و لایتکلمون فی اثناء حدیثه کما هو مقتضی الادب . (جمع ج۲ ص ۲۰۵) (اس میں یہ اشارہ ہے کہ صحابہؓ نہ تو ابتداء بالکلام کیا کرتے اور نہ ہی آپ ﷺ کی باتوں کے درمیان گفتگو کیا کرتے جیسا کہ یہی مقتضی ادب واحترام ہے)

(۱۳) لایتنازعون عنده الحدیث ...... جب حضور اقدس ﷺ خاموش ہوجاتے، تب حضراتِ صحابہ کرامؓ آپس میں گفتگو کرتے، مگر پھر بھی ذاتِ اقدس ﷺ اور مجلس اقدس کا اسی قدر ادب واحترام ملحوظ رکھتے کہ اپنی گفتگو میں نہ تو کسی قسم کا نزاع کرتے اور نہ جھگڑے کی طرح ڈالتے اور نہ باہم الجھتے تاکہ آپ ﷺ کی خاطر عالی کے لئے تشویش کا باعث نہ ہو، لانه لاینبغی التنازع ولا التخاصم فی حضرته ۔ (اتحافات ص ۳۷۶)

ومن تکلم عنده ...... جو کوئی بھی بارگاہِ قدس میں عرض معروض کرتا تو باقی خاموش رہتے۔ آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کی برکت تھی کہ حاضرین وخدام آداب مجلس کو ملحوظ رکھتے، اور جب ایک اپنی بات مکمل کرلیتا، تب دوسرا بات شروع کرتا، نہ تو دو یا دو سے زائد افراد بیک وقت بات شروع کرتے اور نہ ایک دوسرے کی بات کو کاٹتے تھے۔ اس لئے

کہ یہ آدابِ مجلس کے خلاف ہے فلا یتکلم عنده اثنان معاً ولا یقطع بعضهم علی بعض کلامه لانه خلاف الادب۔ (مواہب ص ۳۵۹)

(۱۴) حدیثهم عنده حدیث اوّلهم ...... بارگاہِ نبوت میں ہر بات کرنے والے کی بات کو گویا اوّلیت حاصل تھی۔ ہر ایک کی بات اسی طرح سنی جاتی، جس طرح پہلے شخص کی بات سنی جاتی ہے، جس میں رغبت اور شوق ہوتا ہے، یعنی بے قدری اور بے توجہی سے بات نہیں سنی جاتی تھی یا معنی یہ ہے کہ ہر ایک کی بات ترتیب سے سنی جاتی تھی۔ ای یتحدث عنده ماجاء اولاثم من بعده علی الترتیب (اتحافات ص ۳۷۶) یا اول بمعنی افضل کے ہے یعنی آپ ﷺ ہر ایک کی بات کو اس طرح سنتے تھے، گویا وہ قوم کے افضل ترین اور شخصیت اولین کی بات ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ اوّل کہنے والے نے جو کہہ دیا گویا وہی سب کی بات ہے، گویا سب صحابہ کرامؓ مباحات میں متحد الآراء ہوتے تھے، جو غایتِ محبت وانس کی علامت ہے۔

(۱۵) یضحک مما یضحکون منه ...... حضورِ اقدس ﷺ امراء، حکمرانوں اور متکبرین کی طرح اپنے رفقاءِ کار، خدام اور حاضرین سے الگ تھلگ نہیں رہتے تھے اور نہ کسی لمحے یا کسی ادا سے اپنی برتری یا اپنے فضل و تفوق کا اظہار ہونے دیتے تھے، بلکہ اپنے صحابہ میں گھل مل جاتے، وہ جس موضوع اور گفتگو میں مشغول ہوتے، آپ بھی اسی میں ان کے ساتھ شریک گفتگو ہو جاتے، اگر وہ کسی بات پر ہنس رہے ہوتے، تو آپ ﷺ بھی ان کی موافقت میں اسی سلسلہ گفتگو میں ہنس دیا کرتے اور اگر وہ کسی چیز پر تعجب کرتے تو آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ اسی چیز پر تعجب کرنے لگتے" ای موافقة لهم و تطییباً لخاطرهم۔ (اتحافات ص ۳۷۶)

(۱۶) یصبر للغریب ... حضورِ اقدس ﷺ کسی مسافر یا اجنبی کی سخت گفتگو اور بے ادبی کے انداز سوال پر بھی صبر کرتے، یہاں تک کہ بعض صحابہ کرامؓ اجنبی اور مسافر لوگوں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لے آیا کرتے کہ وہ سوال کریں، انہیں بھی فائدہ ہو اور سب کو استفادہ ہو، یعنی جس وقت کوئی اجنبی یا مسافر آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا، چونکہ وہ

آداب مجلس اور آپ ﷺ کو مخاطب کرنے کے آداب سے ناواقف ہوتا تو جا و بے جا سوالات کرتا۔ اس کے لہجے میں درشتی، بے ادبی اور گنوار پن ہوتا' مگر حضور اقدس سرور دو عالم ﷺ اپنے کریمانہ اور بزرگانہ اخلاق کی بدولت ان پر گرفت نہ کرتے۔ عفوو درگذر فرما کر انتہائی صبر تحمل بردباری اور حلم کا مظاہرہ فرماتے، اور ان کی اس قسم کی روش پر توجہ نہ دیتے

فقد ورد ان المومن الذی یخالط الناس و یصبر علی اذاھم افضل ممن یعتزلھم و قد کان صلی اللّٰہ علیہ و سلم اعلی الناس فی ذلک مقاما فقد أتاہ ذو الخویصرۃ التمیمی فقال یا رسول اللّٰہ اعدل فقال و یحک و من یعدل اذا لم اعدل فقد خبت و خسرت ان لم اعدل فقال عمر یا رسول اللّٰہ ائذن لی أضرب عنقہ فقال دعہ رواہ البیھقی عن ابی سعید۔ (مواہب ص۲۹۰) (چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ وہ مسلمان جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی طرف سے تکالیف پر صبر کرتا ہے یہ زیادہ افضل ہے اس شخص سے جو لوگوں سے علیحدگی اور تنہائی میں رہتا ہے اور آپ ﷺ تو اس سلسلہ میں باقی لوگوں سے برتر اور اعلیٰ مقام پر فائز تھے چنانچہ **ذوالخویصرۃ تمیمی** جب آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! انصاف فرمایئے آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا تیرے اوپر افسوس ہو کہ میں اگر عدل و انصاف نہیں کرسکا تو پھر کون ایسا ہے جو عدل و انصاف کرسکے اور پھر تو میں خسارہ و نقصان میں رہا اگر میں عدل و انصاف نہ کرسکوں۔ تو (اس وقت) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اجازت دیجئے یا رسول اللہ! کہ میں اس کی گردن اڑا دوں تو آپؐ نے فرمایا کہ اس بات کو چھوڑ دو)

(۱۷) **و یقول اذا رایتم ......** آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کو یہ بھی تاکید فرماتے رہتے تھے کہ جب کسی طالب حاجت کو دیکھو تو اس کی امداد کیا کرو، **فارفدوہ ای ساعدوہ فی توصلہ الی حاجتہ** (مناوی ج۳ ص۲۰۷) (تم اس کا ہاتھ بٹاؤ ضرورت اور حاجت تک رسائی میں)

(۱۸) **و لایقبل الثناء ......** عام طور پر منہ سامنے مدح و تعریف آپ کو گوارا نہ تھی۔ البتہ بطور شکر یہ و اداءِ احسان کے کوئی آپ ﷺ کی تعریف کرتا تو سکوت اختیار فرماتے کہ

احسان کا شکریہ اس پر ضروری تھا کہ وہ اپنا ذمہ اور فریضہ ادا کر رہا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر تعریف حدود کے اندر ہوتی تو سکوت فرماتے اور اگر حدود سے تجاوز ہوتا تو روک دیتے تھے' ای لایقبل مدیحاً الا من انسان أحسن الیه وماسوی ذلک أعرض عنه و أشاح بوجهه (اتحافات ص ۳۷۶) (آپ ﷺ اس انسان کی مدح وتوصیف کو قبول فرمایا کرتے جس کے ساتھ کوئی احسان و بھلائی کی ہو اور اسکے علاوہ منہ سامنے مدح کرنے والوں سے اعراض فرمایا کرتے)

(۱۹) و لا یقطع علی احد ...... آپ ﷺ کسی بھی شخص کی گفتگو کو منقطع نہ فرماتے۔ یہاں تک کہ وہ حد سے نہ بڑھ جاتا۔ پس اسے منع فرما کر بات ختم فرما دیتے یا اُٹھ کر چلے جاتے۔ توجہ سے بات سننا اور بات پوری کئے بغیر درمیان میں نہ ٹوکنا، آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی حتی یجوز اور اگر بات کرنے والا کسی زیادتی کا مستحق ہوتا اور حد سے اور حق سے تجاوز کرتا، من المجازاۃ ای حتی یتجاوز الحد اوالحق و فی نسخة حتی یجور من الجور ای حتی یجور فی الحق بان یمیل عنه (مواہب ص ۲۶۰)

فیقطعه بنهی او قیام 'تو نرم لہجے' حکمت اور موزون طریقے سے اسے روک دیتے یا پھر اٹھ کر چلے جاتے۔ اما بنهی له عن الحدیث ان افاد بان لم یکن معاندا اوقیام من المجلس ان کان معاندا ۔(یا اس کو بات کرنے سے روک دیتے اگر وہ معاند نہیں ہوتا تھا۔ اور اگر وہ معاند ہوتا تو پھر آپ ﷺ مجلس سے اٹھ کر تشریف لے جاتے) وفی هذا الحدیث مالا یخفی من نهایة کماله صلی الله علیه وسلم و رفقه و لطفه و حلمه و صبره و صفحه و رأفته و رحمته و عظیم اخلاقه ۔(مواہب ص ۲۶۰)

(اس حدیث میں حضور ﷺ کے کمالات، نرم دلی، لطف وکرم، حلم وصبر، عفو ودرگزر، شفقت ورحمت اور بلندی اخلاق کے حسین تذکرے واضح طور پر معلوم ہو رہے ہیں)

(۳۲۸/۱۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں فرمایا۔

کمالِ سخاوت کی دلیل :

ماسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... حضور اقدس ﷺ سے کبھی بھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی، جس کے دینے سے آپ ﷺ نے انکار کر دیا ہو۔ یہ حدیث آپ ﷺ کی کمال سخاوت کی دلیل ہے۔ یعنی جس وقت بھی آنحضور ﷺ سے کسی نے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا، اگر اس وقت موجود نہیں ہوتا تو کسی سے قرض لے کر اس کے سوال کو پورا فرما دیتے یا دوسرے وقت پر دینے کا وعدہ کر لیتے یا اس کے حق میں دعا فرماتے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کو کسی اور طریقہ سے عطا فرماویں۔ غرضیکہ 'نہ' نہ فرماتے۔ اکثر اس طرح بھی ہوتا کہ ایک چیز ہے، جس کی آپ ﷺ کو خود ضرورت ہے اور مانگنے والا وہی چیز مانگتا ہے تو حضور ﷺ اپنی ضرورت کی پرواہ نہ فرماتے ہوئے سائل کو وہ چیز عطا فرما دیتے۔ یہی حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے جس کام کے بارے کہا جاتا، آپ ﷺ اسے کر گذرتے اور اگر ارادہ نہ ہوتا تو خاموشی اختیار فرماتے' مگر نہیں کسی کے جواب میں نہیں فرماتے تھے، بلکہ اگر آپ ﷺ کے پاس اس وقت نہ ہوتا تو سائل سے فرماتے کہ کچھ انتظار کر، اگر میرے پاس کچھ آیا تو دے دوں گا۔ ایک بار اسی طرح کا واقعہ ہوا تو حضرت سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے طاقت سے بڑھ کر کسی کو کسی عمل کی تکلیف نہیں دی تو حضور ﷺ نے میری یہ بات ناپسند فرمائی عربی کا مشہور و معروف شاعر فرزدق آنحضور ﷺ کے اس اخلاق حمیدہ و جلیلہ کو اپنے قصیدہ کے ایک شعر میں اس طرح بیان کرتا ہے ....

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَہُّدِہٖ
لَوْ لَا التَّشَہُّدُ کَانَتْ لَاؤُہٗ نَعَمٖ

(جمع ج۲ص ۲۰۸)

(آپ ﷺ نے کبھی لفظ لا تشہد کے علاوہ نہیں کہا۔ اگر تشہد (پڑھنا) نہ ہوتا تو پھر آپ ﷺ کا کلمہ لا بھی نعم (ہاں) ہوتا)

اور اسی مفہوم کو فارسی کے شاعر نے بھی ذیل کے شعر میں ادا فرمایا۔

نرفت لا بزبانِ مبارکش ہرگز
بجز در اشہد ان لا الٰہ الّا اللہ

(کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر بجز کلمہ شہادت کے لفظ لا کبھی نہیں آیا)

سوال وجواب :

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضور ﷺ نے تو بہت دفعہ کلمہ لا استعمال فرمایا ہے، جیسے کہ قرآن مجید میں بھی ہے، لااجد ما احملکم علیه (کہ میرے پاس تمہارے سوار ہونے کے لئے سواری نہیں) اور قبیلہ اشعریون کے وفد کو فرمایا واللّٰہ لا احملکم و غیرھما (قسم بخدا! میں تمہیں (کسی چیز پر) سوار نہیں کرسکتا) شیخ ابراہیم بیجوریؒ نے اس سوال کے جواب کو ان الفاظ میں اشارہ کردیا ۔ والمراد انه لم یقل لامنعاً للاعطاء فلاینا فی انه قاله اعتذاراً ان لاق الاعتذار کما فی قوله لا اجد ما احملکم علیه او تادیباً للسائل ان لم یلق به الاعتذار کما فی قوله للاشعر ین واللّٰہ لا احملکم فھو تادیب لھم لسؤالھم مالیس عنده مع تحققھم ذلک ومن ثم حلف حسماً لطمعھم فی تکلیفه التحصیل مع علم الاضطرار الی ذلک (مواہب ص ۲۶۱) (اصل مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی نہ دینے کے لئے لفظ لا استعمال نہیں فرمایا تو اس توجیہ کی بناء پر یہ منافی نہ ہوا ان اقوال وروایات کے جن میں بطور معذرت کے کبھی لا کا لفظ استعمال کیا ہو جیسے کہ لا اجد ما احملکم میں۔ یا بطور تادیب سائل کے ہو۔ جیسے کہ اشعر یین کو آپ ﷺ کا فرمانا کہ واللہ لا احملکم تو اس کہنے میں اشعریین کو تنبیہ وتادیب مقصود تھی کہ تمہیں

باوجود معلوم ہونے کے اس چیز کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے جو آپ ﷺ کے پاس موجود نہیں ہے اس لئے تو ان کی طمع اور امید کو بالکل ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے حلفاً یہ بات کہہ دی)

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں: المعروف ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایسأل عن شئی الا کان یعطی سائلہ الحاجۃ المطلوبۃ 'او یدعوالہ ' اویعدہ بھا ثم یوفی لہ ماوعد بہ (اتحافات ص ۲۷۷) (آپ ﷺ کے متعلق یہی مشہور ہے کہ آپ ﷺ سے کسی چیز کا سوال نہ کیا جاتا مگر اس کو یا تو مطلوبہ ضرورت پوری فرمادیتے یا پھر اس کے لئے دعا فرمادیتے یا اس کے لئے دوسرے وقت میں دینے کا وعدہ فرماتے اور پھر اس وعدے کی وفا بھی کردیتے)

(۳۳۹/۱۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عِمْرَانَ اَبُوالْقَاسِمِ الْقُرَشِيُّ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَ كَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ حَتّٰى يَنْسَلِخَ فَيَاْتِيْهِ جِبْرِيْلُ فَيَعْرِضُ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عمران ابوالقاسم قرشی مکی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابراہیم بن سعد نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ یہ روایت عبیداللہ سے اور وہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اول تو تمام لوگوں سے زیادہ ہر وقت ہی سخی تھے۔ بالخصوص رمضان المبارک میں تمام مہینہ اخیر تک بہت ہی فیاض رہتے (کہ خود حضور ﷺ کی گیارہ مہینے کی فیاضی بھی اس مہینے کی فیاضی کے برابر نہ ہوتی تھی) اور اس مہینے میں بھی جس وقت حضرت جبرائیلؑ تشریف لاکر آپ ﷺ کو کلام اللہ شریف سناتے 'اس وقت آپ ﷺ بھلائی اور نفع پہنچانے میں تیز بارش لانے والی ہوا سے

بھی زیادہ سخاوت فرماتے۔

راویان حدیث (٦١٦) عبداللہ بن عمرانؒ (٦١٧) ابراہیم بن سعدؒ اور (٦١٨) عبیداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مراتب جود وسخا :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اجود الناس ...... شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، کانت مراتب جودہ صلی اللہ علیہ و سلم ثلاثۃ (١) الجود العادی وھو فوق جود البشر (٢) جود اعلیٰ منہ وھو فی رمضان (٣) جود اکبر و اکثر، و کان عند مایلقی جبریل و یدارسہ القرآن، والجود فی المحسوسات و المعنویات، و قد استفاضت الأخبار فی أن الدنیا لم تسکن قلبہ ابدا لقد کان یعطی عطاء الملوک، بل عطاء من لایخشی الفقر ابدا۔ (اتحافات ص:٣٧٨)

حضور ﷺ کی سخاوت کے تین درجے تھے۔ (١) جود عادی یعنی عام عادت کے مطابق جو سخاوت ہوتی ہے، وہ بھی دوسرے انسانوں سے زیادہ ہوتی تھی (٢) جو عام عادت کی سخاوت سے اعلیٰ ہو، وہ آپ ﷺ کی سخاوت ماہ مبارک رمضان شریف میں ہوتی (٣) ایک تیسری قسم کی سخاوت جو انتہائی زیادہ ہوتی، بلکہ مکرر ہوا کرتی، جبکہ آپ ﷺ سے جبریل امین کی ملاقات اور قرآن مجید کا دور ہوتا، اور یہ سخاوت ظاہری اور معنوی دونوں حیثیت سے ہوا کرتی تھی۔

باقی اس سلسلہ میں احادیث مشہورہ سے ثابت ہے کہ دنیا سے آپ ﷺ نے کبھی دل نہیں لگایا اور آپ ﷺ کی عطا (بخشش) شہنشاہوں جیسے ہوتی، بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر اس شخص کی مانند جس کو فقر و فاقہ کا فکر و غم نہ ہو۔

ماہ مبارک میں سخاوت :

و کان اجود ما یکون فی شھر رمضان ...... اور آپ ﷺ رمضان شریف کا مکمل مہینہ بہت ہی سخاوت فرماتے ہوئے گزار دیتے تھے۔ یعنی ویسے تو آپ ﷺ ہر

حال میں اور ہر چیز کے مرحمت فرمانے میں انتہائی درجے کے سخی تھے۔ کوئی شخص بھی آپ ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا (کہ کوئی بھی حضور ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا کہ خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عطاؤں میں بادشاہوں کو شرمندہ کرتے تھے۔ نہایت سخت احتیاج کی حالت میں ایک عورت نے چادر پیش کی اور سخت ضرورت کے درجہ میں پہنی۔ جب ہی ایک شخص نے مانگ لی۔ اُس کو مرحمت فرمادی۔ قرض لے کر ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرنا اور قرض خواہ کے سخت تقاضے کے وقت کہیں سے اگر کہیں کچھ آ گیا اور اداءِ قرض کے بعد بچ گیا تو اتنے وہ تقسیم نہ ہو جائے، گھر نہ جانا، ایسے مشہور واقعات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ہو ہی نہیں سکتا) باوجود بخشش وعطا کے رمضان مبارک کا پورا کا پورا مہینہ سخاوت ہی فرماتے رہتے تھے۔ اَجْوَدُ مَا یَکُوْنُ. کَانَ کا اسم ہے اور فِی شَھْرِ رمضان خبر ہے اور ما مصدریہ ہے یعنی کَانَ کَوْنُہٗ اَجْوَدُ کَائِنًا فِیْ رَمَضَانَ یعنی آنحضور ﷺ کے بہت سخی ہونے کا وقت رمضان میں ہوتا تھا۔ چونکہ رمضان المبارک کے مہینہ میں دوسرے گیارہ مہینوں کے مقابلہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں اور بخششیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ بھی اس بابرکت مہینہ میں نیکیوں میں بہت ہی زیادہ انہماک فرماتے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایاتِ بے پایاں کو حاصل کرتے۔ نیز اللہ اس عظیم برکات والے مہینہ میں آنجناب ﷺ پر ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ ان کا شکر بجالانے میں زیادہ سے زیادہ سخاوت فرماتے اور شارحین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات مُتَخَلِّقْ بِاَخْلَاقِ اللّٰہ تھی۔ لہٰذا سنت الٰہی کی پیروی میں آپ ﷺ اس مہینہ میں مال ومتاع کے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ بعضوں نے اجود کو منصوب پڑھا ہے۔ اس صورت میں وہ کَانَ کی خبر ہوگی اور کَان کا اسم ایک ضمیر مستتر ہوگی، جو آنحضور ﷺ کی طرف راجع ہے۔ بعض نے ما کو موصولہ یا موصوفہ بھی کہا ہے۔

حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ قرآن کا دور:

فیاتیہ جبریل ...... رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل حاضر ہو کر آپ ﷺ

کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے ان جبریل کان یعارضہ القران فی کل سنۃ مرۃ و انہ عارضہ العام الوصال مرتین "جس برس وصال ہوا۔ اس میں دو (۲) مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ دور کیا۔

بے انتہاء سخاوت :

فیاتیہ میں فا تعلیل ما سبق کے لئے ہے یعنی رمضان شریف میں آپ ﷺ کی انتہائی سخاوت اس وجہ سے تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا ماہ مبارک کی ہر رات میں حاضری جیسی نعمت عظمیٰ حاصل ہوتی تھی۔ ای سبب اجودیتہ اتیان جبرئیل لہ کل لیلۃ من رمضان۔ (مناوی ج۲ ص۲۰۹) اجود بالخیر من الریح المرسلۃ " تو اس ملاقات کے وقت آپ ﷺ کی سخاوت کا کوئی حساب نہیں لگ سکتا تھا اور کوئی احاطہ نہیں کر سکتا تھا۔ شیخ عبدالرؤف" تحریر فرماتے ہیں و عبر بالمرسلۃ اشعارا بدوام ھبوبھا بالرحمۃ وعموم النفع بجود المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کما تعم المرسلۃ سائر مامرت علیہ۔ (مناوی ج۲ ص۲۱۱) (اور اس راوی نے ریح (ہوا) کی تعبیر مرسلہ سے اس لئے کی کہ اس میں یہ خبر دینا مقصود ہے کہ جیسے ریح مرسلہ کے فوائد ہر ان مواضع کو پہنچتے ہیں جہاں گزرتی اور برستی ہے۔ بعینہ اسی طرح آپ ﷺ کا جود و کرم، سخاوت و رحمت کے منافع مخلوق میں سے ہر ایک فرد تک پہنچ بھی جاتے اور وہ اس سے مستفید بھی ہو جاتے ہیں)۔ اس مبارک وقت کی کیفیت شیخ عبدالرؤف" بیان کرتے ہیں" والحدیث مسوق لبیان اتیان الملائکۃ الی افضل الخلق بافضل کلام من افضل متکلم فی افضل وقت (مناوی ج۲ ص۲۱۱) (دراصل حدیث کے اسلوب بیان کی غرض فرشتوں کا افضل ترین متکلم (خداتعالیٰ) کی طرف سے مخلوق کی افضل ترین شخصیت (حضور ﷺ) کی طرف متبرک اوقات (ماہ رمضان) میں بہترین کلام (قرآن مجید) کو لے آنے کا تذکرہ ہے)

صحبتِ صالحین :

و فیہ ان صحبۃ الصالحین مؤثرۃ فی دین الرجل وعلمہ ولذالک قالوا

لقاء اهل الخير عمارة القلوب (مناوی ج ۲ ص ۲۱) اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کی مجلس آدمی کے دین اور علم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لئے مشائخ فرماتے ہیں کہ نیک اور بزرگوں کی ملاقات دلوں کی آبادی کا ذریعہ ہے۔

اخذِ مسائل :

و فيه ندب اكثار الجود في رمضان و مزيد الانفاق على المحتاجين فيه و التوسعة على عياله و اقاربه و محبيه و عند ملاقاة الصالحين و عقب مفارقهم شكراً لنعمة الاجتماع بهم و مدارسة القران و جواز المبالغة والاعياء في الكلام كماذكره القرطبي۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۱)

اور حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ماہ مبارک میں سخاوت کی کثرت ہو، اور مسکین و نادار لوگوں پر زیادہ مال خرچ کیا جائے اور اپنے اہل عیال اور رشتہ داروں دوستوں اور نیک لوگوں کی ملاقات اور ان کے رخصتی اور واپسی کے وقت خرچ و خوراک میں وسعت اور فراخ دلی سے کام لیا جائے، تا کہ صالحین نیکوکار لوگوں کے اجتماع اور قرآن مجید کے دور کی برکات کا پورا پورا حق اور شکریہ بجالایا جا سکے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے اوقات اور مجالس میں محنت و مشقت برداشت کر کے بہت سے مبارک کلام سے مستفید ہونا چاہئے

ورحم الله صاحب البرده حيث عبر عن جوده بالزبدة في قوله ....

فان من جودک الدنيا و ضرتها
و من علومک علم اللوح و القلم

(جمع ج ۲ ص ۲۱۲) (کیونکہ دنیا اور آخرت آپ کی بخششوں میں سے ہیں اور لوح و قلم آپ کے علموں میں سے ہیں)

(۲۳۰/۱۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ

ہم کو اسے جعفر بن سلیمان نے ثابت کے حوالے سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دوسرے دن کے واسطے کسی چیز کو ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔

ذخیرہ اندوزی سے احتراز :

کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایدخر شیئًا لغد 'حضور اقدس ﷺ آنے والے دن کے لئے کسی چیز کا بھی ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔یعنی جو کچھ بھی آنحضور ﷺ کے پاس ہوتا یا آنجناب کی خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا، سب کا سب تقسیم فرما دیتے۔دوسرے دن کے لئے کچھ بھی نہ رکھتے۔الشیخ یوسف النبھانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

نبی کریم ﷺ کے پاس جب بھی غنیمت' زکوٰۃ یا خراج وغیرہ کا سامان یا روپیہ پیسہ آتا تو نہ اس پر رات گزرتی اور نہ دوپہر، یعنی اگر صبح سویرے آتا تو دوپہر سے پہلے آپ ﷺ اسے تقسیم فرما دیتے اور اگر دن ڈھلے آتا تو رات آنے سے پہلے مستحق لوگوں میں بانٹ دیتے۔لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔درہم و دینار نے کبھی آپ ﷺ کے ہاں رات نہیں گذاری، اگر کبھی کوئی چیز بچ گئی۔اس کا لینے والا کوئی موجود نہ ہوا، تو آپ ﷺ اس وقت تک مسجد سے اپنے حجرہ مبارک میں تشریف نہیں لے جاتے، جب تک وہ بھی کسی ضرورتمند کو نہیں دے دی۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں :

ان عدم الادخار آیۃ عظیمۃ علیٰ اعظم التوکل والایثار وھما من محاسن الاخلاق (مناوی ج ۴ ص ۲۱۳) یعنی کہ آنجناب ﷺ کا کسی چیز کا ذخیرہ نہ کرنا آنجناب ﷺ کے عظیم توکل اور ایثار کی بہت ہی شاندار دلیل ہے اور یہ دونوں محاسن اخلاق سے ہیں

ایک شبہ اور اس کا جواب :

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ اپنے اہل

بیت (گھرانے) کے لئے ذخیرہ کر لیتے تھے ۔ ففی الصحیحین انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدخر لاھلہ قوت سنتھم (جمع ج ۲ ص ۲۱۲) (بخاری اور مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ اپنے اہل وعیال کے لئے ایک سال کی غذا ذخیرہ کر لیا کرتے) شارحینؒ حدیث اس کی تطبیق اور جواب میں فرماتے ہیں کہ ایک ہے اپنے لئے ذخیرہ کرنا اور ایک ہے' اہل و عیال کے لئے، تو چونکہ حضور ﷺ کا توکل کامل تھا اس لئے آپ ﷺ ادخار لغد نہیں فرماتے تھے۔ اور اہل وعیال کے توکل میں چونکہ کچھ ضعف تھا، اس لئے ان کے سالانہ نفقہ کا انتظام فرما لیتے۔ اور یا اس لئے تا کہ آپ ﷺ کا یہ طرز (اپنے لئے ذخیرہ نہ کرنا اور اہل خانہ کے لئے کرنا) آپ ﷺ کی امت کے عیال داروں اور اور متجردین (کنبہ نہ رکھنے والوں) کے لئے سنت جاریہ ہو سکے)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ، لکمال توکلہ علی ربہ و قد یدخر لعیالہ قوت سنتھم لضعف توکلھم بالنسبۃ الیہ صلی اللہ علیہ وسلم و لیکون سنۃ للمعلیین (عیالدار) من امتہ و للمتجردین من اھل ملتہ ، بلکہ حضور ﷺ توکل تام کی وجہ سے اہل وعیال کا ذخیرہ بھی قبل از وقت حاجتمندوں میں تقسیم فرما دیتے، تو گویا ایک حیثیت سے لا یدخر شیئا لغد علی الاطلاق (یہ بھی کہ آپ ﷺ کل آئندہ کے لئے عام طور پر کوئی چیز ذخیرہ نہ کیا کرتے) بھی صحیح ہو جاتا ہے، جیسے اسی مقام میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، والاولی ای یجمع بانہ کان یدخر لھم قوت سنتھم ثم من جودہ و کرمہ علی الوافدین والمحتاجین کان یفرغ زادھم قبل تمام السنۃ (جمع ج ۲ ص ۲۱۲)

علامہ مناویؒ نے اس جواب پر کچھ اضافہ فرماتے ہوئے لکھا، وبیانا لجواز الادخار ...... فادخارہ لم یکن لخشیۃ العلم بل لاجل الکرم (مناوی ج ۲ ص ۲۱۲)

(ہو سکتا ہے آپ ﷺ کا ذخیرہ کر لینا صرف بیان جواز کے لئے ہو تو گویا حضور ﷺ کا ذخیرہ کرنا غذا کے معدوم ہونے کے خوف سے نہ تھا بلکہ اس لئے کہ (بوقتِ ضرورت) لوگوں سے جود و کرم کا برتاؤ کیا جا سکے)

حضرت علامہ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں :

وجه مناسبة الحديث بعنوان الباب ان الكرم والجود والتوكل والاعتماد علي واجب الوجود دون الخلق من كمال الخلق (جمع ج۲ص۲۱۳) اس حدیث شریف کی عنوان باب سے یہ وجہ مناسبت ہے کہ کرم، سخاوت، توکل اور واجب الوجود پر اعتماد سوائے مخلوق کے کمال خلق سے ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

یعنی جو چیز ہوتی کھلا پلا کر ختم فرما دیتے۔ اس خیال سے کہ کل کو ضرورت ہوگی۔ اُس کو محفوظ نہ رکھتے تھے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا غایتِ توکل تھا کہ جس مالک نے آج دیا ہے، وہ کل بھی عطا کرے گا۔ یہ اپنی ذات کے لئے تھا۔ بیویوں کا نفقہ ان کے حوالے کر دیا جاتا کہ وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ چاہیں رکھیں یا تقسیم کر دیں، مگر وہ بھی تو حضور ﷺ ہی کی بیویاں تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مرتبہ دو گونیاں درہموں کی نذرانے کے طور پر پیش کی گئیں، جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درم تھے۔ انہوں نے طباق منگوایا اور بھر بھر کر تقسیم فرما دیا، خود روزہ دار تھیں۔ افطار کے وقت ایک روٹی اور زیتون کا تیل تھا، جس سے افطار فرمایا۔ باندی نے عرض کیا کہ ایک درم کا اگر آج گوشت منگا لیتیں تو آج ہم اسی سے افطار کر لیتے۔ ارشاد فرمایا کہ اب طعن دینے سے کیا ہو سکتا ہے اُس وقت یاد دلا دیتی تو میں منگا دیتی (خصائل)

(۳۴۱/۱۳) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ مُوْسَى بْنِ اَبِيْ عَلْقَمَةَ الْفَرْوِيُّ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا جَآءَ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهٗ اَنْ يُّعْطِيَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِنْدِيْ شَيْءٌ وَلٰكِنِ ابْتَعْ عَلَيَّ فَاِذَا جَآءَنِيْ شَيْءٌ قَضَيْتُهٗ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَعْطَيْتَهٗ فَمَا كَلَّفَكَ اللّٰهُ مَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ فَكَرِهَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْفِقْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلَالًا فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعُرِفَ الْبِشْرُ فِيْ وَجْهِهٖ لِقَوْلِ

اَلْاَنْصَارِيِّ ثُمَّ قَالَ بِهٰذَا اُمِرْتُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن موسیٰ بن علقمہ فروی مدنی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے ہشام بن سعد کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث زید بن اسلم سے اور انہوں نے اسے اپنے باپ سے روایت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی ضرورتمند نے حضور اقدس ﷺ سے کچھ سوال کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس تو اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ تم میرے نام سے خرید لو، جب کچھ آ جائے گا تو میں ادا کردوں گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (ﷺ) آپ کے پاس جو کچھ تھا آپ دے چکے ہیں اور جو چیز آپ کی قدرت میں نہیں ہے، اُس کا حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو مکلف نہیں بنایا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ ناگوار گزرا تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) جس قدر جی چاہے خرچ کیجئے اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کیجئے (کہ جو ذاتِ پاک عرشِ بریں کی مالک ہے اس کے یہاں آپ کو دینے میں کیا کمی ہو سکتی ہے) حضور اکرم ﷺ کو انصاری کا کہنا بہت پسند آیا اور حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا، جس کا اثر چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مجھے اسی کا حکم فرمایا ہے۔

راویان حدیث (۶۱۹) ہارون بن موسیٰؒ (۶۲۰) ابیؒ اور (۶۲۱) ہشام بن سعدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قرض دلوا کر سائل کی حاجت پوری کر دیتے :

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماعندی شیء ...... حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ای لیس فی ملکی شیء موجود۔ (جمع ج ۲ ص ۲۱۴) (یعنی میرے ملکیت میں تو کوئی چیز بھی موجود نہیں) جو لینا ہے وہ خرید لے اور اس کی قیمت میرے ذمہ ہے یعنی مطلوبہ چیز حسب ضرورت بازار سے خرید لے۔ اس قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی۔ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں جب کوئی شخص مسلمان ہو کر حاضر

خدمت ہوتا' اسے کپڑے کی ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ مجھے اس کے لئے لباس کا بندوبست کرنے کا حکم دیتے۔ میں کہیں سے قرض وغیرہ لے کر اس کو کپڑے بنوا دیتا، کھانا کھلا دیتا، پھر بعد میں حضور اقدس ﷺ اس قرضہ کی ادائیگی فرما دیتے۔

جودوسخا کے واقعات :

خود نبی کریم ﷺ کا حضرت بلالؓ سے بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کے پاس کھجوروں کی ایک ڈھیری لگی ہوئی دیکھی۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ آئندہ کی ضروریات کے لئے روک لیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، تجھے اس کا ڈر نہیں ہے کہ اس کی بدولت کل قیامت کے دن جہنم کا کچھ دھواں تجھ تک پہنچ جائے۔ اس کو ارشاد فرمایا انفق بلالاً ولا تخش من ذی العرش اقلالا۔ اے بلال ! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کر۔ حضور اکرم ﷺ کی سخاوت اور کرم کے واقعات جس کثرت سے ہیں، ان کے احاطہ کی کس کو طاقت ہے۔ اس کرم کے لئے یہ بھی ضروری نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس موجود ہی ہو۔ ضرورتمندوں کے لئے قرض لے کر ان پر خرچ کرنا حضور اکرم ﷺ کا عام معمول تھا، جیسا کہ اوپر کی حدیث میں خود موجود ہے۔ ایک شخص نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کے اخراجات کی کیا صورت تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس تو کچھ رہتا ہی نہ تھا۔ میں ہی اخیر تک اس کا منتظم رہا۔ عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوتا اور آپ ﷺ اس کو ننگا دیکھتے تو مجھے اس کے انتظام کا حکم فرماتے۔ میں کہیں سے قرض لے کر اس کے کپڑے بنواتا اور کھانے کا انتظام کرتا۔ ایک دن مشرکین میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ مجھے بڑی وسعت حاصل ہے، تمہیں جو کچھ قرض لینا ہو، مجھ سے لے لیا کرو اور کسی سے قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس سے قرض لینے لگا۔ ایک دن میں وضو کر کے اذان کہنے ہی کو تھا کہ وہ مشرک چند تاجروں کو ساتھ لیے ہوئے آئے اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا او حبشی ! میں نے کہا حاضر ہوں۔ وہ نہایت ترش روئی سے مجھ کو برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ

اس مہینے کے ختم میں کتنے دن باقی ہیں۔ میں نے کہا کہ مہینہ تو ختم ہونے کے قریب ہے۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں، اگر اُس وقت تک قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے قرضہ میں غلام بنالوں گا اور جیسا کہ پہلے غلامی کی حالت میں بکریاں چرایا کرتا تھا، وہی صورت پھر ہو جائے گی۔ حضرت بلالؓ کہتے ہیں کہ اس کی یہ باتیں سُن کر جو لوگوں پر گزرتی ہے، وہ مجھ پر بھی گزری۔ میں عشاء کی نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا قصہ سنا کر عرض کیا کہ حضور ! اتنی جلدی انتظام کیا ہو سکتا ہے کہ ادائیگی کے لئے نہ آپ ﷺ کے پاس کچھ ہے نہ میرے پاس۔ میں رُوپوش ہو جاؤں گا۔ جب آپ ادائیگی فرمادیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ورنہ وہ مجھے سخت ذلیل کرے گا۔ صبح کی نماز سے قبل ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہ حضور اکرم ﷺ بلا رہے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے تیرے قرضہ کا انتظام کر دیا۔ یہ چار اونٹنیاں جو سامان سے لدی ہوئی کھڑی ہیں، یہ فدک کے حاکم نے ہدیہ بھیجا ہے۔ میں نے صبح کو وہ سب قرضہ بے باق کر دیا اور حضور اکرم ﷺ کو اطلاع دی کہ اللہ جل شانہٗ نے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس سامان میں سے کچھ بچا ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ بچ گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس کو تقسیم کر دے کہ مجھے راحت ملے۔ شام ہو گئی کچھ پھر بھی بچ گیا۔ عشاء کے بعد حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ مستحقین آتے ہی نہیں ابھی کچھ باقی ہے تو حضور اکرم ﷺ نے وہ رات مسجد میں گزاری، مکان پر تشریف نہیں لے گئے۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہٗ نے اس کے بارے آپ کو سبک دوش فرمایا کہ وہ سب تقسیم ہو گیا۔ تب حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے مکان تشریف لے گئے۔ (ابوداؤد)

حضرت عمرؓ کی رائے پر ناگواری :

فقال عمرؓ ...... تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! آپ نے تو اسے عطا فرمادیا **فما كلف الله مالا تقدر عليه** ۔ پس اللہ نے آپ ﷺ کو اس چیز کی جس پر

آپ کو قدرت نہیں ہے، مکلف نہیں بنایا، یعنی من امرہ بالشراء و وعدہ بالقضاء (جمع ج ۲ ص ۲۱۴) (اس شخص کو یہ کہہ دیتا کہ جاؤ آپ خرید لیں اور اس کو قرضہ میں ادا کر دوں گا) یعنی نرم جواب بھی تو بمنزلہ عطاو بخشش کے ہے۔ سو وہ تو آپ ﷺ نے اسے دیدیا ہے یا جو چیز آپ ﷺ کے پاس تھی مرحمت فرمادی اور اب جبکہ آپ ﷺ کے پاس کچھ بھی موجود نہیں ہے تو خواہ مخواہ لوگوں کے قرضے اپنے ذمہ کیوں لیتے ہیں، جبکہ اللہ پاک نے بھی یہ کام آپ کے سپرد نہیں کیا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے قرضے ان کی جگہ ادا کریں۔

فکرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... یعنی حضور اقدس ﷺ کو حضرت عمرؓ کی یہ بات کبھی پسند نہ آئی، کیونکہ ایک سائل نامراد واپس لوٹتا تھا، جو آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے بعید تھا، مگر یاد رہے کہ ناگواری خاطر کی وجہ یہ نہ تھی کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے خلاف شریعت تھی' بلکہ اس لئے کہ اس سے سائل کی ناامیدی اور محرومی مستلزم ہوتی تھی۔

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں ای من حیث استلزامہ قنوط السائل و حرمانہ لالمخالفتہ للشرع۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۱۴)

ایک انصاری کی رائے کو پسند فرمایا :

فقال رجل من الانصار ...... انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ! خرچ کیجئے کسی قسم کا خوف صاحب عرش سے نہ کیجئے، اقلالا ای شیئا من الفقر و زاد فی التاج ان معناہ الافتقار و الاحتیاج (جمع ج ۲ ص ۲۱۴) یعنی کسی قسم کا فکرو اندیشہ یا غم نہ کیجئے' و انفق و لوفوق طاقتک (اتحافات ص: ۳۷۹) (اور خرچ کیجئے اگرچہ آپ ﷺ کی قدرت سے زیادہ بھی ہو) اللہ کریم اپنی بارگاہ عالیہ سے وہ کچھ عطا فرمادے گا جو اور کسی کو عطا نہیں فرماتا۔

فتبسم ...... اس پر حضور اقدس ﷺ نے تبسم فرمایا۔ انصاری کی اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ طبیعت اور چہرۂ انور سے اس کا اظہار بھی ہونے لگا، جیسا کہ راوی نے کہا ہے کہ رُخ انور پر فرخندگی اور تازگی ظاہر ہو رہی تھی۔ وعرف فی وجھہ البشر ای الطلاقۃ والبشاشۃ (مواہب ص ۲۶۳) فانفرجت اساریر المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم و عرف

البشر فی وجهه ۔(اتحافات ص ۳۷۹)بھذا امرت ۔یعنی مجھے یہی حکم کیا گیا کہ میں اللہ کی راہ میں ہر وقت خرچ کرتا رہوں اور کسی کمی کا خوف نہ کروں، ای لا بقول عمر کما افادہ تقدیم الجار والمجرور والمعنی بالانفاق الذی قالہ الانصاری امرت لا بالمنع الذی قالہ عمر ۔(مواہب ص ۲۶۳) (یعنی مجھے حضرت عمرؓ کی بات کا حکم نہیں کیا گیا جیسے کہ یہی معنیٰ جار مجرور (یعنی بھذا) کی تقدیم سے معلوم ہو رہے ہیں اور مطلب یہ ہوا کہ مجھے ایسے خرچ کرنے کا حکم ہے جیسے کہ انصاریؓ کہہ رہے ہیں نہ اس خرچ کے روکنے کا جیسے کہ حضرت عمرؓ فرما رہے ہیں)

اخذ و استنباط :

شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں، ویؤخذ من ھذا الحدیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی غایة الکرم و الجود و مما ینبغی التنبہ لہ ان کل خصلة من خصال الفضل قد احل اللہ نبیہ فی اعلاھا و خصہ بذروة سناھا (مواہب ص ۲۶۳) (اور اس حدیث سے آپ ﷺ کا کرم اور سخاوت کے انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز ہونا معلوم ہوتا ہے اور جس چیز پر تنبیہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اخلاق و عادات فاضلہ میں سب سے اعلیٰ و بلند ترین خصلت پر ہونے کا حکم و ارشاد فرمایا ہے)

(۳۴۲/۱۴) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِیکٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُقَیْلٍ عَنِ الرُّبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَآءَ قَالَتْ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِّنْ رُطَبٍ وَّ اَجْرٍ زُغْبٍ فَاَعْطَانِیْ مِلْأَ کَفِّہٖ حُلِیًّا وَّ ذَھَبًا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شریک نے عبد اللہ بن محمد بن عقیل کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے یہ روایت نقل کی۔ ربیع کہتی ہے کہ میں ایک طباق کھجوروں کا اور کچھ چھوٹی چھوٹی پتلی ککڑیاں لے کر حاضر خدمت ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے اپنا دست مبارک بھر کر سونا اور زیور مرحمت فرمایا۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

قناع ' مراد طبق ہے، جس کو ہم اردو میں طباق کہتے ہیں، جس پر کھانا کھاتے ہیں۔ اس کو قنع بھی کہتے ہیں۔ کھجور کی لکڑی کی تھالی، جس میں کھانا رکھا جاتا ہے۔ رطب' تازہ کھجور اور پختہ تازہ کھجور کو کہتے ہیں۔ اجر' جرو کی جمع ہے۔ چھوٹی چیز انار ہو یا خربوزہ یا ککڑی اس کی جمع جراء' اور اجر آتی ہے۔ جمع الجمع' اجریۃ آتی ہے۔ زغب' نرم روئیں' بال اور پر کا نکلنا' اصل میں زغب ان روئیں کو کہتے ہیں' جو شروع میں چوزے کے بدن پر نکلتے ہیں یہاں مراد ککڑی ہے' جس پر خفیف اور ہلکی سی روئیں ہوتی ہیں۔

قالت اتیت النبی صلی اللہ علیہ و سلم ...... اس سے قبل بھی یہ حدیث حضور اقدس ﷺ کے صفتِ فواکہ کے بیان میں گذر چکی ہے اور اس کی شرح وہیں لکھی جا چکی ہے۔ وہاں باب سے مناسبت تھی۔ پھلوں کا ذکر تھا، یہاں آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق کے مناسبت سے درج ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے تحفہ لانے والی خاتون کو خالی واپس نہیں لوٹایا، بلکہ زر و زیورات سے سرفراز فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کی اعلیٰ ظرفی اور بلند اخلاق تھی، ورنہ یہ چیز نہ واجب ہے اور نہ ضروری۔

(۱۵/۳۴۳) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ وَ غَیْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْبَلُ الْهَدِیَّةَ وَ یُثِیْبُ عَلَیْهَا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن خشرم اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عیسیٰ بن یونس نے ہشام بن عروۃ کے حوالہ سے خبر دی اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔ انہوں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے نقل کیا ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس پر بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔

ھدیہ لینا اور بہترین بدلہ دینا :

کان یقبل الھدیۃ ...... حضور اقدس ﷺ ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدل بھی عطا فرماتے تھے، جیسا کہ اس سے قبل والی حدیث میں مثال گذر چکی ہے کہ کھجوروں اور ککڑیوں کے بدلے مٹھی بھر زر و زیورات عنایت فرمائے۔ یہی آپ ﷺ کا معمول تھا۔ بدلہ کی صورت میں ہدیہ دینے والے کی دلداری بھی فرماتے تھے اور ہدیہ دینے میں بظاہر جو اسے نقصان ہوا، اس کو اس سے بچا لیتے تھے، بلکہ آپ ﷺ اپنے معمول کے مطابق بدلہ ہدیہ سے بڑھ کر دیا کرتے تھے، جس سے ہدیہ دینے والے کا نفع ہوتا تھا۔ اس لئے بعض روایات میں ویثیب خیرا منھا کی تصریح آئی ہے۔

تنبیہ :

علامہ بیجوریؒ باب ھذا کے آخر میں بطور تنبیہ کے لکھتے ہیں :

و اعلم ان اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم وھدیہ و سیرتہ ھی المیزان الاکبر فتعرض علیھا الاشیاء فما وافقھا فھو المقبول وما خالفھا فھو المردود (مواہب ص۲۶۴)

(یہ بات بخوبی معلوم کرلیں کہ آپ ﷺ کے اخلاق، طریقے اور سیرت مبارکہ یہی وہ بڑی ترازو ہے جس پر (سب لوگوں) کے (اعمال و کارنامے) پیش کیے جاتے ہیں تو جو آپ ﷺ کی سیرت اور طریقے سے موافق ہوں گے تو وہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) مقبول ہیں اور جو اس کے مخالف ہوں گے تو وہی مردود ہوں گے)۔

==========================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ حَیَآءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ

باب ! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء کے بیان میں

لفظِ حیاء کا لغوی معنیٰ تغیر وانکسار ہے۔(جمع ج ۲ ص ۴۱۶) جب بالقصر پڑھا جائے تو معنیٰ بارش ہے اور جب بالمد پڑھا جائے تو کسی چیز سے منقبض ہونے اور اسے ملامت کے خوف سے چھوڑ دینے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ شرعاً حیاء کے معنیٰ ہیں، ھو خلق یعث علی تجنب القبیح و یحض علی ارتکاب الحسن و مجانبة التقصیر فی حق ذی الحق (مواہب ص ۲۶۴) یعنی وہ خلق ہے جو افعالِ قبیحہ سے اجتناب کا باعث ہو۔ حسنات کے ارتکاب کا محرک ہو اور صاحب حق کے حق کی تقصیر کرنے سے مانع ہو۔ حیاء بالقصر ہو یا بالمد دونوں حیاة سے ماخوذ ہیں ' وکلاھما ماخوذ من الحیاة فان احدھما حیاة الارض والآخر حیاة القلب (جمع ج ۲ ص ۴۱۶) (ان میں سے ایک (حیاء بالقصر) تو زمین کی زندگی (آبادی) ہے اور دوسرا (حیاء بالمد) وہ دل کی حیات و زندگی ہے)

حیاء کی فضیلت و اہمیت :

احادیث میں حیاء کی تاکید آئی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے ' الحیاء شعبة من الایمان حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ، ان لکل دین خلقا ، وان خلق الاسلام الحیاء۔ (ابن ماجہ) یقیناً ہر دین کے لئے ایک خلق ہے، اور اسلام کا خلق حیاء ہے ۔ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے، الحیاء من الایمان والایمان فی الجنة (ابن ماجہ) حیاء ایمان کی نشانی ہے اور ایمان کا ہونا جنتی ہونا ہے۔ عمران بن حصین حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں، الحیاء لایاتی الا بخیر۔ (بخاری)

حیاء سے بھلائی ہی پیدا ہوگی اور ایک حدیث میں آیا ہے' الحیاء کله خیر (مسلم) یعنی حیاء میں بہتری ہی بہتری ہے۔ ایک اور ارشاد ہے ' لا دین لمن لا حیاء له (جس میں حیاء نہیں ہے، اس میں کوئی دین نہیں ہے)

اس باب کو مستقلاً نقل کیا گیا ہے کہ حیاء ایک مستقل خلق ہے۔ غایتِ اہتمام غرض تھی کہ خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ معاملات میں حیاء پر ایک مستقل مدار ہے ۔ ولعل الافراد فی الترجمة إشارة الی عظم شأنه (اتحافات ص ۳۸۱) (اور اس کو مستقل عنوان سے ذکر کرنے میں اس کے عظیم الشان ہونے کا اشارہ ہے) ولان به حسن العشرة للخلق والمعاملة للحق (مواہب ص ۳۶۴) (اور حیاء ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے اچھا معاملہ اور مخلوق کے ساتھ حسن برتاؤ قائم رہتا ہے) حضور اقدس ﷺ کی حیاء کا یہ عالم تھا کہ کسی چہرہ پر نظریں گاڑ کر گفتگو نہیں فرماتے تھے، اگر اپنی منشأ کے خلاف کوئی بات کہنا چاہتے تو اشاروں کنایوں میں کہتے۔ قضاءِ حاجت کی ضرورت پیش آتی، تو لوگوں سے دور کسی میدان میں چلے جاتے اور اس وقت تک کپڑا اوپر نہ اٹھاتے، جب تک زمین پر بیٹھ نہ جاتے۔ شیخ عبدالرؤف ؒ نے حیاء کی چار قسمیں نقل کی ہیں۔

حیاء کے اقسام :

علماء نے لکھا ہے کہ حیاء کئی قسموں کی ہوتی ہے۔ ایک کرم کی حیاء کہلاتی ہے، جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چند لوگ بیٹھے رہے اور باتوں میں مشغول رہے۔ نبی اکرم ﷺ پر اُن کا بیٹھنا بار تھا اور بار بار کبھی باہر تشریف لے جاتے تھے، کبھی اندر تشریف لاتے تھے، مگر شرم کی وجہ سے ان کو اٹھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ قرآن پاک میں بھی سورۂ احزاب کے اخیر کے قریب اس قصہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ دوسری قسم عاشق کی اپنے محبوب سے شرم ہوتی ہے کہ بولنا بھی دشوار ہوتا ہے ....

شوق افزوں مانعِ عرضِ تمنا دابِ حُسن
بارہا دل نے اٹھائے ایسی لذت کے مزے

تیسری قسم بندگی کی شرم ہوتی ہے کہ بندگی میں اپنے آپ کو قاصر پائے اور مولا سے شرم میں بڑھتا جائے۔

چوتھی قسم خود اپنی ذات سے شرم ہوتی ہے کہ آدمی ہمت سے کسی کام کو شروع کرے اور اس میں کوئی نقص رہ جائے تو خود اپنے سے شرم آنے لگتی ہے کہ ذرا سا کام بھی نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ شرم کا اعلیٰ درجہ ہے، جو شخص خود اپنے سے شرماتا ہے، وہ دوسرے سے بطریق احسن و اولیٰ شرمایا کرتا ہے (مناوی ج ۲ ص ۲۱۶)

امام ترمذیؒ نے اس باب میں دو حدیثیں نقل کی ہیں۔

(۳۳۳/۱) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ عُتْبَةَ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَشَدَّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَآءِ فِيْ خِدْرِهَا وَ كَانَ اِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِيْ وَجْهِهٖ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شعبہ نے قتادہ کے حوالہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی عتبہ کو ابو سعید خدریؓ کے حوالہ سے یہ کہتے ہوئے سنا۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ شرم و حیاء میں کنواری لڑکی سے جو اپنے پردہ میں ہو کہیں زائد بڑھے ہوئے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو کوئی بات ناگوار ہوتی تو ہم آپ ﷺ کے چہرے سے پہچان لیتے۔ حضور اکرم ﷺ (غایت شرم کی وجہ سے اظہار ناپسندیدگی بھی نہ فرماتے تھے)

راوی حدیث (۶۲۲) عبداللہ بن ابی عتبہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اکرم ﷺ کا مقامِ حیاء:

کان اشد حیاء ...... **العذراء** دوشیزہ، باکرہ، کنواری اور دوشیزہ کو کہتے ہیں

اس کی جمع العذاری آتی ہے۔ سمیت بذلک لعذر وطیھا (مواہب ص ۲۶۴) (عذراء کے ساتھ اس لئے مسمی کی جاتی ہے کہ اس کی وطی مشکل اور متعذر ہوتی ہے) یعنی حضور اقدس ﷺ اس کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم وحیاء رکھتے تھے' جو مکان کے اندر ایک مخصوص حصہ میں رہتی ہے۔ خدر پردہ کو کہتے ہیں، وہ پردہ جو لڑکی کے لئے مکان کے ایک گوشہ میں لگا دیا جائے۔ لڑکی کے لئے مکان کا مخصوص حصہ' رات کی تاریکی اور شیر کی جھاڑی کو بھی خدر کہتے ہیں۔ وھو ستر یجعل للبکر فی جانب البیت لتستر بہ حتی عن بعض النساء (جمع ج ۲ ص ۲۱۶) (ملا علی قاریؒ خدر کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ یہ ایک خاص پردہ جو کمرے کے گوشے میں باکرہ کے لئے بنایا جاتا ہے تاکہ یہ اس میں چھپی رہے تا آنکہ بعض عورتوں سے بھی وہ وہاں چھپی رہتی ہے)

(۱) شارحینِ حدیث نے اس کا ایک معنیٰ یہ لیا ہے۔ اس سے مراد وہ کنواری لڑکی مراد ہے جو پردہ نشین ہو، اگرچہ کنواری لڑکی میں شرم وحیا طبعاً موجود ہوتا ہے۔ اس لئے شریعت میں اس سے نکاح کی اجازت کے وقت صرف سکوت کو کافی قرار دیا گیا ہے۔

مگر وہ لڑکی جو کنواری بھی ہو اور پردہ نشین بھی' تو ظاہر ہے کہ اس میں حیاء بدرجۂ اتم موجود ہوگا علماء فرماتے ہیں کہ پردہ نشین سے بھی وہ عورت مراد ہے' جس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی پردہ ہی میں کیا گیا ہو، جسے باہر گلی محلوں اور بازاروں میں پھرنے والی خواتین سے دور رکھا گیا ہو۔ ایسی لڑکی جس قدر شرمیلی ہوگی۔ ظاہر ہے اس میں حیاء بھی بدرجۂ اتم ہوگا۔

(۲) دوسرا معنیٰ شارحینِ حدیث نے یہ لکھا ہے کہ پردہ نشین ہونا شبِ عروسی یعنی شادی کی پہلی رات سے کنایہ ہے کہ اس رات لڑکی میں شرم وحیاء کی انتہاء ہوتی ہے۔

شیخ عبدالروفؒ کا ارشاد :

شیخ عبدالروفؒ لکھتے ہیں، وفیہ ان الحیاء من الاوصاف المحمودۃ ای مالم ینتہ الی ضعف او جبن او خروج عن الحق او ترک اقامۃ حد والا کان ملموماً و حیاء ہ صلی اللہ علیہ وسلم کان مبرأ من ذلک کلہ (مناوی ج ۲ ص ۲۱۷) اور اس

سے ثابت ہوتا ہے کہ حیاء اوصاف محمودہ میں سے ہے، جب تک اس میں کمزوری' نامردی' حق سے نکلنا اور اقامت حد کا چھوڑنا نہ پایا جائے، اگر یہ چیزیں پیدا ہوں تو پھر مذموم ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا حیاء تو ان تمام چیزوں سے کلی طور پر پاک اور مبرّا تھا۔

جب حضور ﷺ کو کوئی بات ناگوار ہوتی :

وکان اذا کرہ شیأ اور جب حضور اقدس ﷺ کو کوئی چیز ناگوار خاطر ہوتی' تو اس کا اثر رخ انور سے معلوم ہو جاتا۔ وکذا العذراء فی خدرھا لاتصرح بکراھۃ الشئی بل یعرف ذلک فی وجھھا غالباً وبھذا ظھر وجہ ارتباط ھذہ الجملۃ بالتی قبلھا۔
(مواہب ص ۳۶۴) (اسی طرح وہ کنواری جو پردہ میں ہو وہ بھی اپنی ناپسندی کا اظہار صراحۃً نہیں کرتی بلکہ عموی طور پر اس کے چہرہ سے معلوم کیا جاتا ہے اور اسی سے اس جملے کے ماقبل سے مربوط ہونے کی وجہ ظاہر ہوگئی)

(۳۳۵/۲) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ مَوْلًى لِعَائِشَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَانَظَرْتُ اِلٰى فَرْجِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَتْ مَا رَاَيْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے وکیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے منصور کے حوالہ سے خبر دی' انہوں نے اسے موسیٰ بن عبداللہ بن یزید خطمی سے انہوں نے ام المؤمنین عائشہ کے آزاد کردہ غلام سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضور اکرم ﷺ کی حیاء اور تستّر کی وجہ سے) مجھے کبھی آپ ﷺ کے محل شرم دیکھنے کی ہمت نہیں پڑی اور کبھی نہیں دیکھا۔

راوی حدیث (۶۲۳) موسیٰ بن عبداللہؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حیاءِ کامل کا اکمل نمونہ :

قالت عائشة مانظرت ...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کبھی بھی آپ ﷺ کے محل شرم پر نظر نہیں کی۔ جب حضور ﷺ کی شرم کی وجہ سے ہمت نہیں پڑی تو خود حضور ﷺ تو کیا دیکھتے اور اُصولی بات ہے کہ شرمیلے آدمی کے سامنے دوسرے کو بھی مجبوراً شرم کرنی پڑتی ہے اور دوسری روایت میں بالتصریح اس کی بھی نفی ہے کہ نہ حضور ﷺ نے کبھی میرے ستر کو دیکھا نہ میں نے حضور ﷺ کے ستر کو دیکھا اور جب حضرت عائشہؓ باوجودیکہ تمام بیویوں میں سب سے زیادہ بے تکلف تھیں۔ سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ اُن کا یہ حال ہے تو اوروں کا کیا ذکر۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ بیوی سے صحبت کرتے تو آنکھیں بند کر لیتے اور سر جھکا لیتے اور بیوی کو بھی سکون و وقار کی تاکید فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ حجروں کے پیچھے جا کر غسل کیا کرتے۔ حضور ﷺ کے محل ستر کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ نبوت سے قبل جب کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، حضور ﷺ بھی پتھر اُٹھا کر لا رہے تھے۔ عرب کے دستور کے موافق کہ ستر کو چھپانے کا کچھ ایسا اہتمام نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے لنگی کو پتھر کے نیچے رکھ لیا۔ اُسی وقت بیہوش ہو کر گر گئے۔ حالانکہ شرعی احکام اُس وقت تک نازل نہ ہوئے تھے۔ (ملخصاً من المناوی وغیرہ ج ۲ ص ۲۱۳)

==============================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ حِجَامَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضور اقدس ﷺ کے پچھنے (سنگیاں) لگوانے کے بیان میں

الحجامة (پچھنے لگوانا) :

الحجامة ' پچھنے لگانے کے پیشے کو کہتے ہیں۔ حَجْمٌ سے ہے، جس کا معنی اونچائی' بڑھ جانے چوسنے اور روکنے کے ہوتے ہیں۔ حجام پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں۔
الحجامة هی شرط الجلد و اخراج الدم بالمحجمة و هی مایحجم به۔
(اتحافات ص ۳۹۳) (حجامت کا معنی جلد میں نشتر لگانا اور آلہ حجامت کے ساتھ بدن سے خون نکالنا) ہمارے ہاں بال مونڈنے اور تراشنے والے کو حجام کہتے ہیں۔ ہاں پچھنے لگانے کے لئے لامحالہ حلق کرنا پڑتا ہے، بلکہ حلق لازم ہے اور حالق ہی حجام (پچھنے لگانے والا) ہوتا تھا۔ اس لئے اب عربوں میں بھی حجام' حلاق کے معنی میں استعمال ہونے لگا، جبکہ برصغیر کے اردو محاورہ میں تو حجام کہتے ہی حالق کو ہیں۔ پچھنے لگوانا آپ ﷺ سے قولاً اور فعلاً ثابت ہے۔ اطباء نے اس کے بہت سے فوائد ذکر کیئے ہیں۔

معالجۂ توکل کے منافی نہیں :

باب ھذا میں مصنفؒ نے چھ احادیث ذکر کی ہیں، جن میں پچھنے لگوانے کے مختلف واقعات ذکر کیئے گئے ہیں۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کے معمولات میں معالجۂ بدن کا علاج اور دوا کا استعمال کرنا بھی ثابت ہے۔ لہٰذا معالجۂ اور دوائی کا استعمال توکل کے منافی نہیں ہے۔ آخر حضور اقدسؐ سے بڑھ کر متوکل اور کون ہوسکتا ہے، مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے پچھنے لگوائے اور بدن کا علاج کرایا۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، وفی حجامته صلی اللہ علیه وسلم إقرار لمبدأ التداوی والعلاج

ولا منافاة بين الأخذ بالأسباب والتوكل على الله۔(اتحافات ص۳۸۳) (اور نبی کریم ﷺ کے پچھنے لگوانے میں دوا اور علاج ومعالجہ کرنے اور کروانے کی اصل اور بنیاد کو تسلیم کرنا ہے۔ اور اسباب وذرائع کے استعمال کرنے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر توکل کرنے میں کوئی منافات نہیں)

البتہ علامہ مناویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ نعم تركه توكلا فضيلة ولاينافيه فعل المصطفى وهو سيد المتوكلين لانه انما فعله للتشريع كما تقرر (مناوی ج۲ص ۲۱۴) (ہاں اسباب کو چھوڑ کر صرف ذات خداوندی پر توکل اور بھروسہ کر لینے میں فضیلت ضرور ہے۔ اور آپ ﷺ کا اسباب کو استعمال کرنا حالانکہ آپ ﷺ تو متوکلین کے سردار اور رہنما ہیں کیونکہ آپ ﷺ کا عمل امت کو ایک حکم شرعی بتلانے کی ہدایت ہے)

توکّل کی حقیقت :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے اُس رسالہ میں جس میں اپنے مبشرات کو جمع کیا ہے اور اپنے بہت سے مکاشفات اور حضور اقدس ﷺ سے خوابوں میں جو سوالات کیے ہیں، ذکر کیے ہیں۔ لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے روحانی سوال کیا کہ اسباب کے اختیار کرنے میں اور اسباب کے ترک کرنے میں کون سی چیز افضل ہے۔ تو مجھ پر حضور اقدس ﷺ کی طرف سے ایک روحانی فیض ہوا، جس کی وجہ سے اسباب و اولاد غرض ہر چیز سے طبیعت سرد پڑ گئی۔ اُس کے بعد میری طبیعت پر ایک انکشاف ہوا، جس کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت تو اسباب کی طرف متوجہ ہے اور روح تسلیم وتفویض کی طرف مائل ہے۔ فقط۔ حق یہ ہے کہ یہی اصل توکل ہے کہ اسباب کو بالکل غیر مؤثر سمجھیں۔ اسباب میں تاثیر بھی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہی کی طرف سے ہے۔ اُس کی مشیت کے بغیر اسباب بھی کچھ نہیں بنا سکتے ....

از قضا سر کنگبیں صفرا فزود　　روغن بادام خشکی مے نمود

مقدراتِ الٰہیہ کے سامنے کسی کا بھی بس نہیں ہے۔ سرکہ کے استعمال سے صفرا

بڑھ جائے اور بادام روغن کے استعمال سے خشکی ہونے لگے۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ایک دوسرے رسالہ میں ہے کہ یہ اسباب کا مسئلہ من جملہ اُن تین وصیتوں کے ہے، جن کی حضور اقدس ﷺ نے وصیت فرمائی اور شاہ صاحبؒ کو طبعی رجحان کے خلاف پر مجبور کیا گیا۔ دوسرا تفضیلِ شیخین کا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پر اور تیسرا مسئلہ تقلید کے نہ چھوڑنے کا ہے کہ شاہ صاحبؒ کا میلان تقلید کے چھوڑنے پر تھا، مگر مجبور کیا گیا کہ کسی ایک امام کی تقلید ضرور کریں۔ تفصیل کا یہاں محل نہیں ہے۔ شاہ صاحبؒ کے رسائل فضل مبین اور فیوض الحرمین میں ہر دو تفصیلات ہیں۔ (خصائل)

(۳۳۶/۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَقَالَ اَنَسٌ اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَمَهٗ اَبُوْطَيْبَةَ فَاَمَرَلَهٗ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَ كَلَّمَ اَهْلَهٗ فَوَضَعُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهٖ وَ قَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَاتَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ اَوْ اِنَّ مِنْ اَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحِجَامَةُ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسمٰعیل بن جعفر نے حمید کے حوالہ سے بیان کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سینگی لگانے کی اجرت کا مسئلہ پوچھا کہ جائز ہے یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ابوطیبہ نے حضور اکرم ﷺ کو سینگی لگائی تھی۔ آپؐ نے دو صاع کھانا (ایک روایت میں کھجور بھی آیا ہے) مرحمت فرمایا اور ان کے آقاؤں سے سفارش فرما کر ان کے ذمہ جو محصول تھا، اس میں کمی کرادی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سینگی لگانا بہترین دوا ہے۔

حضور ﷺ کے حجام ابوطیبہ کا تذکرہ:

ابوطیبة! اسمه نافع و کان مملوکا لبنی حارثة أو لابی مسعود الانصاری۔

(اتحافات ص۳۹۳) و خطّأ الحافظ ابن حجر من قال کالنووی لبنی بیاضة اسمه نافع علی الصحیح و قول البغوی میسرة رد بانه اشتبه علیه باسم ابی جمیلة الراوی حدیث الحجامة و قول ابن عبد البر اسمه دینار وهموه فیه لان دینارا الحجام تابعی روی عن

ابی طیبة لا ابو طیبة نفسه انتھی ۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۱۷)

منشأ سوال :

سئل انس بن مالکؓ ...... حضرت انس بن مالکؓ سے پچھنے لگوانے کی مزدوری سے متعلق دریافت کیا گیا کہ پچھنے لگوانے کا کسب اور اس پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض شارحینؒ نے فرمایا ہے کہ شاید یہ سوال اس لئے کیا گیا ہو کہ اس پیشہ کی خباثت میں کسب الحجام خبیث وارد ہوا ہے۔لہٰذا پوچھنے والے نے یہ وہم کیا کہ شاید حجام کو اجرت دینی جائز نہیں۔ ولعل الباعث علی هذا السوال ورود الخبر بخبث کسب الحجام (اتحافات ص ۳۹۳) (اور شاید کہ اس پوچھنے اور سوال کی غرض حدیث میں حجام کے کسب واجرت کی خباثت کا تذکرہ ہوا ہے)

طبعی کراہت سے حرمت لازم نہیں آتی :

حضرت انسؓ نے جواب میں گویا کسب الحجام جائز (کہ حجام کی اجرت کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا۔دونوں کی تطبیق میں مختلف اقوال منقول ہیں۔راجح یہ ہے کہ خبیث کے معنی ''حرمت'' سے عام ہیں، جو طیب کی ضد ہے۔ناپسندیدہ چیز کو بھی خبیث کہتے ہیں۔ گویا احیاناً کوئی حجامت کرے تو جائز ہے،لیکن چونکہ اس میں میل کچیل سے تلبس ہوتا ہے ۔اس لئے آپ ﷺ اس قسم کے پیشوں کو ناگوار سمجھتے تھے۔اس طبعی کراہت سے نہ حرمت لازم آتی ہے نہ کراہت، بلکہ عملاً آپ ﷺ نے خود پچھنے لگوائے ہیں۔

حجام کو اجرت دینا مباح ہے :

فقال انس ...... حضرت انسؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے پچھنے لگوائے اور یہ پچھنے آپ ﷺ کو ابوطیبۃ نے لگائے تھے، جنہیں آپ ﷺ نے دو صاع طعام دینے کا حکم فرمایا تھا۔ابوطیبۃ کا نام نافع ہے، جو محیصہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔یہ پچھنے لگانے کا کسب اختیار کئے ہوئے تھے۔وہ جب پچھنے لگا چکے تو بارگاہِ نبوت سے انہیں دو صاع طعام عنایت فرمانے کا امر صادر ہوا۔صاع میں علماء کا اختلاف ہے۔فقہاءِ حنفیہؒ کے نزدیک

تقریباً چار سیر وزن کا ایک صاع ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے انہیں گویا آٹھ سیر طعام دیا گیا۔ فدلّ ذلک علی حله لأنه لو کان حراماً لم یعطه وما ورد من النهی عنه فهو للتنزیه و هو المراد بکونه خبیثاً ۔(مواہب ص۲۶۵) (تو حضور ﷺ کی طرف سے دو صاع کے دینے میں حجام کو اجرت دینے کا جواز اور حلت معلوم ہو رہی ہے کیونکہ اگر اس کو اجرت دینا حرام ہوتا تو آپ ﷺ اس کو دینے کا حکم نہ فرماتے اور حدیث میں اس سے جو منع کا ذکر ہے تو وہ نہی تنزیہی پر محمول ہے اور حدیث میں لفظ خبیث سے یہی مراد ہے) ایک روایت میں دو صاع کھجور دینا بھی آیا ہے۔ و زاد فی روایة من تمر (مواہب ص۲۶۵) معلوم ہوا کہ حجام کو اجرت دینا مباح ہے، ورنہ آپ ﷺ اسے کسی چیز کے دینے کا حکم صادر نہ فرماتے۔

غلاموں کے ساتھ حُسنِ سلوک :

و کلم اهله ...... حضور اقدس ﷺ نے اس کے مالک سے گفتگو کر کے اس پر محصول میں کمی کروادی۔ ای کلم سیده منهم فی التخفیف عنه (مواہب ص۲۶۵) ابو طیبة کے آقا کا نام محیصہ بن مسعود تھا، وہ اپنے مالک کو روزانہ تین صاع کھجور ادا کیا کرتا تھا اور اسی شرط پر مالک نے اسے چھوڑ دیا تھا 'یعنی عبدِ ماذون بنا دیا تھا، وہ کماتا' محنت مزدوری کرتا' تین صاع تمر مالک کو ادا کرتا۔ مزید جو بچ کے رہتا وہ غلام کا ہوتا۔ حضور اقدس ﷺ کی سفارش سے اس کے مالک نے ایک صاع معاف کر دیا اور دو صاع کھجور لینا منظور کر لیا اس سے بے بس' لاچار اور غلاموں پر آپ ﷺ کی شفقت و محبت کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ اپنے جذبہ صادقہ کا اظہار مظلوم غلام کی حمایت و امداد اور بھرپور عنایت کی صورت میں ظاہر فرمایا۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں وهذا یفید عنایة رسول الله صلی الله علیه وسلم بالحجام۔ (مواہب ص۵۱۳)

پچھنے لگوانا گرم علاقوں کے ساتھ خاص ہے :

وقال ان افضل ...... یقیناً بہتر علاج جو تم کرتے ہو، وہ پچھنے لگوانا ہے۔ بعض

شارحین اور علماء محدثین رحمھم اللہ کہتے ہیں کہ یہ حکم حرمین شریفین کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے، وہ اکثر کھجوریں کھاتے ہیں اس سے خون بنتا ہے، جو پچھنے لگوانے سے خارج ہوسکتا ہے۔ اس لئے ان کے لئے یہ حکم فرمایا اور ایسے لوگوں کے لئے پچھنے لگوانا مستحب ہے

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ولعل ھذہ الأفضلیة تتبع الزمان والمکان فالأجواء الحارة یناسبھا الحجامة و غیر الأجواء الحارة تتداوی بما یناسبھا۔ (اتحافات ص ۳۹۴) (اور شاید کہ (پچھنے لگوانے) کی افضلیت کا مدار زمان و مکان اور آب وہوا کی حیثیت سے ہو۔ پس جن علاقوں کی فضا گرم ہو ان میں حجامت کرنا زیادہ مناسب ہو اور جو علاقے گرم نہ ہوں ان میں ان کے مناسب علاج و معالجہ سے کام لیا جائے) اطباء نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ لوگ جو سرد مزاج ہیں اور سرد ممالک میں رہتے ہیں ضرورت پڑنے پر فصد ان کے لئے مفید ہے واھل البلاد الباردة فالفصد لھم اولی (مواہب ص ۳۶۵) (اور ٹھنڈے و سرد علاقوں کے لئے فصد (رگ سے نشتر کے ذریعے خون نکالنا) بہتر ہے)

اخذِ مسائل :

علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں، ویؤخذ من الحدیث التداوی بل سنه واخذ الأجرة للطبیب والشفاعة عند رب الدین (مواہب ص ۳۶۶) (حدیث شریف سے علاج و معالجہ اور اس کے طریقہ اور طبیب و ڈاکٹر کی اجرت اور ان کے قرض خواہ سے اس کی سفارش کا جواز معلوم ہوتا ہے)

(۲/۳۳۷) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ بْنُ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ الْاَعْلٰى عَنْ اَبِىْ جَمِيْلَةَ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَاَمَرَنِىْ فَاَعْطَيْتُ الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن علی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ورقاء بن عمر نے عبدالاعلیٰ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابوجمیلہ سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے نقل کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگی لگوائی اور مجھے اس کی مزدوری دینے کا حکم فرمایا، میں نے اس کو ادا کیا۔

راویان حدیث (۶۲۳) ورقاء بن عمرؒ اور (۶۲۵) ابی جملہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پچھنے لگوانے میں حضرت علیؓ کی تصدیق :

عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... پچھنے لگوانا حضور اقدس ﷺ سے قولاً بھی اور فعلاً بھی ثابت ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے بھی پچھنے لگوانے اور حجام کو مزدوری دینے کی تصدیق کر دی اس حدیث سے بھی دونوں باتیں ثابت ہوئیں، پچھنے لگوانا اور حجام کو مزدوری دینا۔ فاعطیت الحجام اجرہ ای وھو الصاعان السابقان (مواہب ص۲۴۶) (میں نے حجام کو اس کی مزدوری دے دی یعنی دو صاع سابقہ)

(۳۲۸/۳) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ جَابِرٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَظُنُّهُ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْتَجَمَ عَلَى الْأَخْدَعَيْنِ وَ بَيْنَ الْكَتِفَيْنِ وَ اَعْطَى الْحَجَّامَ اَجْرَهُ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدۃ نے سفیان ثوری سے جابر کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت شعبی اور انہوں نے اسے عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے گردن کی دونوں جانب پچھنے لگوائے اور دونوں شانوں کے درمیان اور اس کی اجرت بھی مرحمت فرمائی۔ اگر ناجائز ہوتی تو حضور اکرم ﷺ کیسے مرحمت فرماتے۔

پچھنوں پر اُجرت کی روایات میں تطبیق :

عن ابن عباسؓ ...... چونکہ سینگی لگانے میں منہ سے خون کھینچنا پڑتا ہے۔ اس

وجہ سے بعض احادیث میں اس کمائی اور اس پیشہ کی برائی آئی ہے۔ بعض روایتوں میں اس کی کمائی کو خبیث فرمایا گیا ہے، جس کی بناء پر بعض علماء اس کی اُجرت کو ناجائز فرماتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ دونوں روایتوں میں اس طرح جمع کرتے ہیں کہ ممانعت کی روایت کو آزاد لوگوں کے حق میں بتاتے ہیں اور اجازت کی روایات کو غلاموں کے حق میں اور چونکہ ابو طیبہ بھی غلام تھے۔ اس لئے اجرت دینے میں کوئی اشکال نہیں۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ خبیث اس لئے فرمایا کہ یہ ایک مسلمان کی ضرورت ہے، جس کی اعانت دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس لئے بلا اُجرت سینگی لگانا چاہئے تھا۔

علامہ ابن عربیؒ توجیہ کی یہ صورت بیان کرتے ہیں، محل جواز یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو اور محل حرمت کہ اجرت معلوم نہ ہو، غرض علماء اس بارے میں مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ حضور اکرم ﷺ کے اس فعل سے جواز پر استدلال کرتے ہیں کہ اگر یہ ناجائز ہوتی تو حضور اقدس ﷺ کیوں مرحمت فرماتے۔

الاخدعین ! تثنیہ ہے اس کا واحد اخدع آتا ہے، گردن کی رگ کو کہتے ہیں۔ گردن کی دونوں پہلوؤں پر پوشیدہ رگوں کا نام ہے۔ ھما عرقان فی جانبی العنق ۔ (مواہب ص ۲۶۶) اس لئے عرب کہتے ہیں، فلان شدید الاخدع یعنی فلاں بڑا گردن کش ہے۔

(۴/۳۳۹) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَا حَجَّامًا فَحَجَمَهٗ وَ سَاَلَهٗ کَمْ خَرَاجُکَ فَقَالَ ثَلَاثَةُ اٰصُعٍ فَوَضَعَ عَنْهُ صَاعًا وَ اَعْطَاهُ اَجْرَهٗ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدۃ نے ابن ابی لیلیٰ کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے نقل کی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک سینگی لگانے والے کو بلایا جس نے آپ ﷺ کے سینگی لگائی۔

حضور اکرمؐ نے اُن سے ان کا روزانہ کا محصول دریافت فرمایا، تو انہوں نے تین صاع بتلایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک صاع کم کرادیا اور سینگی لگانے کی اجرت مرحمت فرمائی۔

راوی حدیث (۶۲۶) ابن ابی لیلیٰؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس روایت میں بھی اسی ابوطیبہ کا ذکر ہے۔ جن کا تذکرہ باب کی پہلی روایت میں ہو چکا ہے اور حدیث کی شرح بھی ہو چکی ہے۔

(۳۵۰/۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَطَّارُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ وَ جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَا حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْاَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ وَ كَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَ تِسْعَ عَشْرَةَ وَ اِحْدٰى وَ عِشْرِيْنَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالقدوس بن محمد عطار بصری نے یہ روایت بیان کی ۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عمرو بن عاصم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ھمام اور جریر بن حازم نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتادہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے بیان کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں جانبوں میں اور ہر دو شانوں کے درمیان سینگی لگواتے تھے اور عموماً ۱۷/ یا ۱۹/ یا ۲۱/ تاریخ میں اس کا استعمال فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۶۲۷) عبدالقدوس بن محمدؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

پچھنے کہاں لگواتے تھے :

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یحتجم فی الاخدعین ......یعنی حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں رگوں کی جانب اور کندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے

تھے۔ کاہل گردن کے قریب پیٹھ کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں ۔ اس کی جمع کواھل آتی ہے یعنی دونوں کندھوں کے درمیان، و ھو مقدم اعلی الظھر ممایلی العنق وھو الثلث الاعلیٰ و فیہ ست فقرات و قیل ما بین الکتفین و قیل الکتد و قیل موصل العنق قال ابوزید ھو للانسان خاصۃ ویستعار لغیرہ (مناوی ج ۲ ص ۲۲۳) (علامہ مناویؒ کاہل کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ وہ پیٹھ کے بالائی حصہ کا مقدم (اگلا) حصہ جو کہ گردن سے ملا ہوا ہوتا ہے اور وہ تہائی بالا ہے اور اس میں چھ گڑھے (نشانات) ہیں اور بعض نے کہا کہ دو کندھوں کی درمیانی جگہ بعض اس کی تعبیر کتد سے کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ گردن کی ملاپ کی جگہ ہے ابوزیدؒ کہتے ہیں کہ یہ دراصل تو انسان کے ساتھ خاص ہے البتہ اس کے علاوہ میں بھی بطور استعارہ کے استعمال ہوتا ہے)

پچھنے لگوانے کے خاص ایام :

و کان یحتجم لسبع عشرۃ ...... اور حضور اقدس ﷺ ۱۷/ ۱۸/ اور ۱۹/ تاریخ کو پچھنے لگواتے تھے۔ شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان مذکورہ تواریخ کے باب میں بہت احادیث واقع ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ان تواریخ میں پچھنے لگوانا بیماری سے صحت وشفا کا باعث ہے۔

علماء نے فرمایا کہ حجامت کرنا ہفتہ کے دن اور بدھ کے دن مکروہ ہے اور برص کی بیماری پیدا ہونے کا باعث ہے۔ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور کونین ﷺ سے میں نے سُنا ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا پچھنے لگوانا قوتِ حافظہ اور عقل کی زیادتی کا باعث ہے۔ لہٰذا اللہ جل جلالہٗ کا اسم پاک لے کر پچھنے لگوایا کرو اور جمعرات، جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو پچھنے نہ لگوایا کرو، مگر ہاں پیر کے دن پچھنے لگوایا کرو، جذام اور برص تو بدھ کے دن ہوتی ہے اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ منگل کے دن پچھنے لگوانا مکروہ ہے ۔

شیخ ابن حجرؒ نے فرمایا یقیناً احادیث سے ظاہر ہو گیا کہ دنوں میں بہتر دن پچھنے لگوانے کے لئے پیر کا دن ہے، جبکہ ۱۷، ۱۹، یا ۲۱ کو یہ دن آئے ۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

ان تاریخوں کی اور بھی بعض روایتوں میں خصوصیت آئی ہے۔ اطباء کا قول بھی اس کے موافق ہے۔ ابن سینا سے نقل کیا گیا ہے کہ سینگی لگانا مہینے کے شروع میں اور ختم میں اچھا نہیں ہے، بلکہ مہینے کے وسط میں ہونا چاہئے۔ اس روایت سے حضور اقدس ﷺ کا کثرت سے بار بار مختلف ایام میں سینگی لگوانا معلوم ہوتا ہے اور بھی جو روایات اس باب میں ذکر کی جارہی ہیں۔ ان سے مختلف مقامات پر سینگی کا لگانا معلوم ہوتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہود نے خیبر میں حضور اکرم ﷺ کو زہر قاتل کھلا دیا تھا، جو نہایت سخت تھا اور مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال سے یہ مخالفت کا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ اُس گوشت کو جس میں زہر تھا، حضور اکرم ﷺ نے پورا نوش نہ فرمایا تھا، مگر جس قدر رکھایا گیا تھا، اس کا اثر یہ تھا کہ وہ سمیت مختلف اوقات میں بالخصوص گرمی کے زمانے میں بار بار عود کر آتی تھی اور جس جانب مادّے کا زور ہوتا تھا، اسی جانب حضور اکرم ﷺ کو سینگی کے استعمال کی ضرورت ہوتی تھی اور سمی مادہ چونکہ خون میں حلول کرتا ہے اور وہ سارے بدن میں سرایت کرتا ہے، اس لئے مختلف مقامات پر اس کا زور ہوتا تھا۔ (خصائل)

خلاصہ بحث :

خلاصہ یہ کہ ان تاریخوں کو دموی علاج میں دخل ہے، کیونکہ باری تعالیٰ نے خون کی کثرت اور قلت میں قمر کا اثر رکھا ہے، جیسے جوار بھاٹا، اس کی وجہ سے ہوتا ہے، حالانکہ بظاہر کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نجوم کے اثر کو مان لیا گیا، کیونکہ قمر کو عرف میں نجم نہیں کہتے اور اس کے اثرات یقیناً ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔

(۳۵۱/۶) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِمَلَلٍ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرزاق نے معمر کے حوالہ سے اس کی خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت قتادہ سے

اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے موضع ملل میں (جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ ہے) حالتِ احرام میں پشتِ قدم پر سینگی لگوائی۔

پچھنے لگوانے میں جغرافیائی اثرات :

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم احتجم ...... حالتِ احرام میں سینگی لگوانا بعض ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، بشرطیکہ بال نہ اُکھڑیں ...... فیہ حل الحجامۃ للمحرم حیث لا ازالۃ شعر والا حرمت بلا ضرورۃ (مناوی ج۲ ص ۲۳۳) ان روایات میں سینگی کا استعمال کثرت سے نقل کیا گیا ہے اور بھی احادیث کی کتابوں میں سینگی کا استعمال حضور اکرم ﷺ کے قول اور فعل دونوں سے نقل کیا گیا ہے اور فصد کا استعمال نقل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اطباء کے نزدیک فصد بہ نسبت سینگی کے زیادہ نافع ہے اور بہت سے امراض میں اکسیر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں علی الاطلاق نافع نہیں ہیں، بلکہ ان میں تفصیل ہے۔

حجاز کا ملک گرم ہے۔ اُس ملک کے لئے سینگی زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے کہ موسم کے گرم اور سرد ہونے سے مزاجوں میں بے حد تفاوت ہو جاتا ہے۔ گرم ملکوں میں اور اسی طرح دوسرے ملکوں میں گرمی کے زمانے میں حرارت بدن کے ظاہری حصہ پر آ جاتی ہے اور باطنی حصہ میں برودت کا اثر ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گرمی کے زمانے میں پسینہ کی کثرت ہوتی ہے اور باطنی برودت کی وجہ سے کھانے کے ہضم میں دیر لگتی ہے اور مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔ بخلاف سرد ملکوں کے اور اسی طرح سے سردی کے زمانے میں دوسرے ملکوں میں آدمی کی حرارت ماحول کی سردی کی وجہ سے اندرونِ بدن میں چلی جاتی ہے، جس کی وجہ سے ہضم میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ پیشاب میں بھاپ نکلتی ہے۔ امراض میں کمی ہوتی ہے۔ اسی لئے بقراط کا مقولہ ہے کہ سردی کے موسم میں اندرونِ بدن گرم زیادہ ہوتا ہے اور نیند زیادہ آتی ہے اور کھانا بسہولت ہضم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ثقیل غذائیں سردی میں بسہولت ہضم ہو جاتی ہیں اور گرمی میں بدقت۔

اسی وجہ سے اہلِ حجاز کو شہد کھجور وغیرہ گرم چیزوں کے استعمال سے نقصان نہیں ہوتا ۔سینگی میں خون چونکہ ظاہر بدن سے نکلتا ہے اور حجاز میں ظاہر بدن پر حرارت زیادہ ہوتی ہے ،اسلئے سینگی وہاں کے لئے زیادہ مناسب ہے اور فصد میں اندرونِ بدن سے اور رگوں سے خون کھنچتا ہے، اس لئے فصد وہاں کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ کے استعمال میں یہ منقول نہیں ہے۔ (خصائل) علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جغرافیائی اثرات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آخر میں یہ لکھا ہے کہ :

و قال صاحب الهدى التحقيق فى امر الفصد و الحجامة انهما يختلفان باختلاف الزمان و المكان والمزاج والحجامة فى الازمان الحارة والاماكن الحارة والابدان الحارة التى دم اصحابها فى غاية النضج انفع و الفصد بالعكس ولهذا كانت الحجامة انفع للصبيان و لمن لا يقوى على الفصد و يؤخذ من هذا ايضا ان الخطاب لغير الشيوخ لقلة الحرارة فى ابدانهم و قد اخرج الطبرانى بسند صحيح الى ابن سيرين قال اذا بلغ الرجل اربعين سنة لم يحتجم (جمع ج۲ ص۲۲۰) (صاحب الهدیٰ حجامت اور فصد کی تحقیق کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ دونوں زمان و مکان اور مزاج کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف اثر رکھتے ہیں۔ اور حجامت (پچھنے) گرمی کے موسم اور گرم علاقوں اور گرم مزاج والوں (جن کا خون انتہائی پختہ اور گاڑھا ہوتا ہے) کے لئے انتہائی مفید ہے اور فصد (رگ کھولنا) اس کے برعکس ہے (یعنی وہ سردی کے موسم سرد علاقوں اور سرد مزاج والوں کے لئے مفید تر ہے) اس لئے تو حجامت (پچھنے) چھوٹے بچوں اور جو لوگ رگ کھولنے (نشتر کے ذریعے خون نکالنے) کی طاقت نہ رکھتے ہوں کے لئے زیادہ نافع ہے۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حجامت اور فصد کا حکم بوڑھے لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو ہے۔ کیونکہ ان کے بدن کی حرارت بہت کم ہوتی ہے۔ طبرانیؒ نے سند صحیح کے ساتھ امام ابن سیرینؒ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ایک شخص چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ پھر پچھنے نہ لگوائے)۔

========================

روئے زیبا ﷺ کی تابانیاں

مولانا عبد القیوم حقانی

محبوبِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زُلفیں، اقسام و احکام، مانگ، تیل، کنگھی، سرمے، لباسِ مسنون و اعتدال، لباسِ فقر و فاخرہ میں فرق، گذرانِ اوقات، مجموعۂ فقر و غنا اور روئے زیبا کے موضوع پر شمائل ترمذی کے اڑتالیس (۴۸) احادیث کی مفصل توضیح و تشریح ......

صفحات : 160 .... قیمت : -/75 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ
سرحد پاکستان ...... فون :(0923)630237 فیکس : 630094